بجواب

اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون؟

پسند فرمودہ

محقق العصر، فاضل دار العلوم دیوبند، مصنف رحماء بینهم

حضرت مولانا **محمد نافع** رحمۃ اللہ علیہ

مؤلف:

حافظ احمد ذکاء عباسی

نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اہل حق کون؟

مؤلف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حافظ احمد ذکاء عباسی

ایڈیشن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اول

ناشر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔احمد گرافکس

کمپوزنگ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔محسن افتخار عباسی

پرنٹنگ۔۔۔۔۔۔۔۔۔احمد گرافکس اینڈ پرنٹنگ پریس بھوآنہ

ملنے کا پتہ

احمد گرافکس اینڈ پرنٹنگ پریس بھوآنہ

موبائل نمبر:0315-0518544

ای میل ایڈریس:ahmedzakaabbasi34@gmail.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر

تقریظ

از محقق اہل سنت والجماعت حضرت مولانا **مفتی عبدالخالق نقشبندی** صاحب دامت برکاتہم العالیہ ناظم اعلی مدرسہ مدنیہ تعلیم القرآن بھوآنہ چنیوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

اللہ تعالی کا بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے شریعت محمدیہ علی صاحبہا والصلوت والتسلیمات کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے۔ اللہ تعالی نے اہل حق کی ایک جماعت کو منتخب فرمایا ہے جو قیامت تک کے لیے دین مبین کی صحیح ترجمانی کرتی رہے گی۔ اور جیسے کہ آج کے دور میں کچھ ملحد لوگ مسلسل محنت کر رہے ہیں کہ ہم دین اسلام کی بیخ کنی کر سکیں۔ اور بے دین پروفیسر جن کا کام علمائے کرام سے لوگوں کا اعتماد ختم کرنا اور اکابر امت کے مسلک سے ہٹ کر ایک نئی ڈگر بنانا۔ عزیزم حافظ احمد ذکاء عباسی صاحب سلمہ اللہ تعالی نے بہت اہم کام سرانجام دیا اور صحیح معنوں میں اکابرین علمائے دیوبند کے مسلک کا دفاع کیا ہے۔

یہی مسودہ لے کر موصوف اس فقیر کے پاس تشریف لائے تو ہم استاذ مکرم فاضل دارالعلوم دیوبند محقق العصر حضرت مولانا محمد نافع صاحب ؒ کے پاس حاضر ہوئے تو حضرت سے اس پر تقریظ لکھنے کو کہا: تو حضرت نے بوجہ علالت و معذوری کے فرمایا کہ اب میں کچھ قلمبند تو نہیں کر سکتا لیکن کچھ باتیں کہہ دیتا ہوں انہی باتوں کو تحریر کر لینا: تو حضرت نے اس مسودہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: آج کل بہت سے پروفیسر اس کام میں مصروف ہیں کہ عوام الناس کو اکابرین کے مسلک سے دور کر دیا جائے تو آپ نے جو اس پروفیسر صاحب کی کتاب کا تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے وہ قابل دید ہے اور قابل مطالعہ: اب میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں تو اب یہ کام آپ ہی نے کرنا ہے۔

دعا ہے کہ اس مبارک مجموعہ کو اللہ پاک اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم و صلی اللہ علی حبیب خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

محتاج دعا: فقیر محمد عبدالخالق نقشبندی مجددی

میں اس حقیر سی کاوش کو منسوب کرتا ہوں صحابہ اکرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین، سلف صالحین، آئمہ کرام، اولیاء اللہ،

اور خصوص بالخصوص

اکابرین علماء دیوبند کے نام جو اسلام کے حقیقی محسن ہیں۔ جنہوں نے ہر دور میں ہر فتنے کے خلاف سر اٹھایا۔ اور ہر فتنے کا قلع قمع کیا۔

اور محقق دوراں، مناظر اہلسنت

مولانا علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ

کے نام جنہوں نے اپنی ساری زندگی صحابہ اکرامؓ کے نام وقف کی۔ اور اللہ پاک نے انہیں شہادت کے عظیم مرتبے سے سرفراز فرمایا۔

پیش لفظ

اس کائنات کو بنانے کا مقصد پیچھے گزر چکا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ دنیا اسی طرح جگمگاتی رہے گی یا اس پر بھی زوال آجائے گا؟

رب کریم کا ارشاد ہے:

اذالسمآء انشقت (جب آسمان پھٹ جائے)

واذنت لربھا وحقت (اور سن لے حکم اپنے رب کا اور اسی لائق ہے)

واذ الارض مدت (اور جب زمین پھیلا دی جائے)

والقت ما فیھا وتخلت (اور نکال دے جو کچھ اس میں ہے اور خالی ہو جائے)

(ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب تحت سورۃ الانشقاق)

ایک اور جگہ رب کریم کا ارشاد ہے:

اذا لسمآء انفطرت (جب آسمان چر جاوے)

واذالکواکب انتثرت (اور جب تارے جھڑ جاویں)

واذالبحار فجرت (اور جب دریا بہہ پڑیں)

واذالقبور بعثرت (اور جب قبریں اٹھائی جاویں)

(ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب تحت سورۃ الانفطار)

مذکورہ آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ جب آسمان پھٹ جائے گا۔ آسمان پر نظر آنے والے تارے ختم کر دیے جائیں گے۔ زمین پر موجود دریا سوکھ جائیں گے۔ اور زمین کے اندر جو کچھ ہے وہ اسے باہر نکال پھینکے گی۔ یعنی کائنات کا نظام درھم برھم ہو جائے گا۔ اس کائنات

کی ہر شے کو تہ و بالا کر دیا جائے گا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ دن آخر آئے گا کب؟

یہ سوال کہ قیامت کب آئے گی؟ جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ کب آئے گی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ نے چند نشانیاں بھی بتائیں کہ جب یہ نشانیاں رونما ہو جائیں تو سمجھ لینا کہ قیامت قریب آ چکی ہے۔

"جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب دنیا میں گناہ زیادہ ہونے لگیں اور لوگ اپنے ماں باپ کی نا فرمانی اور ان پر سختیاں کرنے لگیں اور امانت میں خیانت ہونے لگے اور گانے بجانے، ناچ کی زیادتی ہو جائے اور پچھلے لوگ پہلے بزرگوں کو برا بھلا کہنے لگیں۔ بے علم اور کم علم لوگ پیشوا بن جائیں۔ چرواہے وغیرہ کم درجے کے لوگ بڑی اونچی اونچی عمارتیں بنانے لگیں۔ نا قابل لوگوں کو بڑے بڑے عہدے ملنے لگیں تو سمجھ لینا کہ قیامت قریب آ گئی"۔

اسی طرح اور بھی نشانیاں رسول اللہ ﷺ نے بتائی ہیں یہاں طوالت کے ڈر سے اختصار کے ساتھ چند ایک گنوادی ہیں۔

بہر کیف عرض کرنے کا مقصد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بتایا کہ جب بعد میں آنے والے لوگ اپنے بزرگوں کو برا بھلا کہنے لگیں تو سمجھ لینا کہ قیامت قریب آ گئی ہے۔ اگر صرف اس نشانی کو سامنے رکھ کر اس دنیا کا مشاہدہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نشانی کائنات میں رونما ہو چکی ہے۔

چونکہ ہم نے پہلے عرض کیا تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین اس امت کے پیشوا ہیں آج ان کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔ یہ قیامت کی نشانی نہیں تو اور کیا ہے؟

آئمہ کرام اس امت کے پیشوا اور بزرگ ہیں آج ان کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔ یہ قیامت کی نشانی نہیں تو اور کیا ہے؟

آج بزرگان دین کی طرف بدعات ورسومات کومنسوب کر کے ان کی روحوں کوتکلیف پہنچائی جارہی ہے۔ یہ قیامت کی نشانی نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح کچھ لوگ آج اہلسنت والجماعت کی صفوں میں (بطور ایجنٹ کے) گھس کر اکابرین اہلسنت والجماعت کو بدنام کرنے کی ناپاک جسارت کررہے ہیں۔اور پروفیسر صاحب والا ٹولہ بھی اسی گروہ میں سے ہے چہ جائے کہ یہ اپنے آپ کواہلسنت والجماعت کہلواتے پھریں مگر چونکہ پیچھے تفصیل سے گزر چکا ہے کہ اکابرین اہلسنت والجماعت کا کیا مسلک تھا اوران کا کیا مسلک ہے؟ (پیچھے چونکہ تفصیل سے گزر چکا اس لیے یہاں دوبارہ ذکرنہیں کیا جاتا)۔کبھی تو یہ لوگ آقاعلیہ السلام ﷺ کی حیات مع الجسد کا انکار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ جس پر اکابرین علماء دیو بند کا ہی نہیں بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کا بھی اس پراجماع ہے کہ آقاعلیہ ﷺ اپنی قبر اطہر میں روح مع الجسد کے زندہ ہیں۔اور جوروزہ اطہر کے پاس جا کر درود پڑھے اسے سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں اور جو دور سے پڑھے فرشتے آپ علیہ ﷺ تک اس درود کو پہنچاتے ہیں۔یہاں چونکہ ہماراموضوع اور ہے اس لیے زیادہ تفصیل میں نہیں جاتے اوراس بارے میں جن حضرات کو پڑھنے کی جستجو ہوتو چند کتابوں کے نام گنوا دیتے ہیں تاکہ قارئین استفادہ حاصل کرسکیں۔اور جولوگ رسول اللہ علیہ ﷺ کی قبر اطہر والی زندگی کے منکر ہیں ان کی اصلیت بھی پہچان سکیں۔

(علامہ عینیؒ کی عمدۃ القاری شرح بخاری جلد 7)

(علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی فتح الباری شرح بخاری جلد 7)

(مولانا مفتی رشید احمد گنگوہیؒ کا فتاوی رشیدیہ)

(مرقاۃ شرح مشکوۃ شریف)

(امام بیہقیؒ کی حیات الانبیاء)

(مجمع الزوائد جلد 8)

(مقام حیات)

(فیض الباری شرح بخاری شریف)

(مولانا قاسم نانوتویؒ کی آب حیات)

(تذکرۃ الخلیل)

(مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول)

(المھند علی المفند یعنی عقائد علمائے دیوبند)

(نشر الطیب)

(فتاوی دار العلوم دیوبند جلد 5) وغیرہ

عرض کر رہا تھا کہ یہ لوگ کبھی آقا ﷺ کی حیات کے منکر ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں تو کبھی اکابرین کا برا بھلا کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کبھی یہ لوگ آقا ﷺ کی معراج کو جھٹلاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور ایک بات یہاں عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں (اس ڈر سے کہ لوگ ان کی چالوں میں پھنس نہ جائیں)۔ یہ لوگ اس چیز کا دھوکہ بھی دیں گے کہ جی ہم اکابرین کا تو مانتے ہیں مگر ساتھ ساتھ ان کو خوب رگڑا بھی لگا جائیں گے اس طریقے سے کہ شاید بھولی بھالی عوام سمجھ بھی نہ سکے۔ جیسے پروفیسر صاحب نے ان لفظوں کے ساتھ رگڑا لگایا کہ جی فلاں صاحب۔۔۔۔۔۔۔۔۔غور نہ کر سکے یا انصاف نہ کر سکے وغیرہ وغیرہ۔ ان لفظوں کو استعمال کر کے اکابرین اہلسنت والجماعت سے بداعتمادی کا اظہار کیا ہے۔ ان کا کہنے کا مقصد یہ ہوا کہ چودہ سو سال تک کوئی اکابر غور نہ کر سکا آج کا چودھویں صدی کا پروفیسر اٹھ کر غور کر رہا ہے (یعنی پروفیسر طاہر علی الہاشمی صاحب)۔

ہاں یہ بات تو الگ ہے کہ ان لوگوں کا آنا برحق ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے جو فرما دیا تھا کہ

"یہ لوگ قرب قیامت میں آئیں گے جو اپنے بزرگوں کو برا بھلا کہیں گے"۔ لیکن ہمارا اس طرف توجہ ملفوظ کرانے کا مقصد یہ ہے کہ امت کو اس چیز سے آگاہ کیا جاسکے تاکہ ساری امت ان کی صفوں میں شامل ہو کر اپنی آخرت گندی نہ کر بیٹھے۔ پروفیسر صاحب سے ہمارا کوئی ذاتی اختلاف نہیں ہے بلکہ ہمارے بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پروفیسر صاحب اور ان کے ساتھ چند مخصوص لوگ یہ بات ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں کہ علماء دیوبند نے صحیح تحقیق نہیں کی اور ہم لوگ جو کچھ پیش کر رہے ہیں وہ صحیح ہے۔ حالانکہ پروفیسر صاحب کی اس کتاب کا مطالعہ کرنے سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ پروفیسر صاحب اور ان کے ٹولے کے پاس کوئی حوالہ موجود نہیں۔ ان کے پاس صرف دعوے ہی ہیں دلیل کوئی نہیں۔ ایک طرف اگر ساری امت ایک بات پر متفق ہو اور دوسری طرف پروفیسر صاحب کو کوئی ایک تاریخی حوالہ جس کی سند بھی صحیح نہ ہو وہ لے کر باقی ساری روایتوں پر پانی پھیر دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جو میں کہہ رہا ہوں صرف وہی صحیح ہے۔ اگر حوالے ہوتے تو ضرور پیش کرتے۔ ہم تو علماء دیوبند کے قدموں کی خاک ہیں۔ حضرت مولانا شیخ سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مجھے لگتا ہے کہ میری تحقیق اکابر علماء دیوبند کی تحقیق سے آگے بڑھنے لگی ہے تو میں فوراً کتاب بند کر دیتا ہوں۔ جب اتنا بڑا شیخ یہ کہہ رہا ہے تو پھر پروفیسروں اور جاہلوں کو کہاں حق پہنچتا ہے کہ وہ اٹھ کر اکابرین پر انگلیاں اٹھائیں۔ ہم نے صرف چند حوالہ جات جو اکابرین علماء دیوبند کے ہیں ان ہی پر اکتفا کیا ہے کیونکہ ہمارا اس کتاب کو لکھنے کا مقصد اکابرین علماء دیوبند کا مسلک بتانا ہے ہاں اگر ضرورت پیش آئی تو انشاء اللہ تاریخی حوالہ جات بھی پیش کر دیں گے۔

آخر میں قارئین سے اتنا ہی کہوں گا کہ ایسے جاہل لوگوں سے دور ہی رہیں ورنہ کہیں یہ نہ ہوں کہ آپ پر بھی آقا ﷺ کا یہ فرمان قاصد آئے کہ:

قال النبی ﷺ من تشبہ بقوم فھو منھم

کہ جس قوم کی مشابہت اختیار کرو گے اسی میں سے اٹھائے جاؤ گے

اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آپ کس راستے پر چل کر حق کو پہنچ سکتے ہیں؟

حافظ احمد ذکاء عباسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آخری نبی حضرت محمد ﷺ

قارئین ذی وقار: آپ نے پچھلے صفحات پر ملاحظہ فرمایا کہ اللہ رب العزت نے انسان کو سب سے احسن بنایا ہے۔ اور اس انسان کو رب کریم نے اپنی عبادت کے لیے چُنا چنانچہ رب ذوالجلال نے اس انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے اپنے محبوب بندوں کو دنیا میں بھیجا تا کہ وہ انسان کو صحیح راستہ (سیدھا راستہ) دِکھا سکیں۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور پھر کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار (1,24,000) انبیاء کرام دنیا میں انسانوں کی رہنمائی کے لیے بھیجے۔ ان میں سے چھبیس (26) انبیاء اکرام کا ذکر قرآن مجید میں بھی ملتا ہے۔ اور ان انبیاء میں سب سے آخر میں ہمارے اور آپ کے آقا و مولا حضرت محمد مصطفی ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اللہ رب العزت نے ان انبیاء کو احکامات بھی دے کر بھیجا چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور نازل فرمائی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی۔ اور رب کریم نے اپنے آخری اور محبوب پیغمبر ﷺ پر اپنی آخری اور کامل واکمل کتاب قرآن مجید کو نازل فرمایا۔ چونکہ ہمارا اس وقت یہ موضوع نہیں لہذا اس کو اختصار کے ساتھ عرض کیا۔ اب آتے ہیں اپنے اصل موضوع کی طرف۔

ولادت باسعادت

آقا ﷺ کی ولادت باسعادت کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت کس تاریخ کو ہوئی اور ماہ کے بارے میں بھی کچھ کا اختلاف ہے۔ مشہور اور راجع قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت نو (09) ربیع الاول بمطابق 22 اپریل 571ء (عام الفیل) بروز دوشنبہ (پیر) کے دن بوقت صبح صادق کو ہوئی۔

1- قاضی سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ہمارے نبی ﷺ موسم بہار میں دوشنبہ (پیر) کے دن 9 ربیع الاول 1ھ عام الفیل بمطابق 22 اپریل 571ء بمطابق یکم جیٹھ بکرمی کو مکہ مکرمہ میں بعد از صبح صادق وقبل از طلوع نیّر عالم تاب پیدا ہوئے، حضور ﷺ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے"۔

(رحمۃ للعالمین ﷺ)

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں:

"اصحاب فیل کا حملہ مکہ معظّمہ پر 17 محرم کو ہوا تھا، یہ واقعہ پیدائش نبوی ﷺ سے پچاس دن قبل کا ہے، وہ اس طرح کہ محرم کے تیرہ (13) دن، صفر کے انتیس (29) دن اور ربیع الاول کے آٹھ (08) دن، اس طرح سب ملا کر پچاس (50) دن ہوئے۔ اس حساب کے مطابق ولادت پاک نو (09) ربیع الاول کو ہوئی"۔

(ایضًا)

2- حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق:

"آپ ﷺ کی ولادت کے متعلق ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ محمود فلکی کی تحقیق کو تسلیم کیا ہے"۔

(سیرۃ مبارکہ از مولانا محمد میاں صاحبؒ)

3- علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان، عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت 9 ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق 22 اپریل 571ء کو ہوئی تھی"۔

(سیرت النبی ﷺ جلد دوئم)

4- مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"9ربیع الاول 10ھ عام الفیل مطابق 40 جلوس کسریٰ نوشیرواں مطابق 22اپریل 571ء بروز دوشنبہ بعد از صبح صادق اور قبل از طلوع آفتاب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے"۔

(تاریخ اسلام اول)

5- مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاردی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کے مہینہ میں دوشنبہ (پیر) کے دن صبح صادق کے وقت ہوئی ،لیکن اہل سیر و تاریخ اس باب میں مختلف الرائے ہیں کہ ربیع الاول کی کون سی تاریخ تھی؟ عوام میں تو مشہور قول یہ ہے کہ 12 ربیع الاول تھی اور بعض کمزور روایتیں اس کی پشت پر ہیں۔اور اکثر علماء 8ربیع الاول کہتے ہیں ،لیکن صحیح اور مستند قول یہ ہے کہ 9 ربیع الاول تاریخ ولادت ہے اور مشاہیر تاریخ وحدیث اور جلیل القدر آئمہ دین اسی تاریخ کو صحیح اور اثبت کہتے ہیں ،چنانچہ حمیدی، عقیل، یونس بن یزید، ابن عبداللہ، ابن حزم، محمد بن موسیٰ خوارزمی، ابوالخطاب، ابن دجیہ، ابن تیمیہ، ابن قیّم، ابن کثیر، ابن حجر عسقلانی، شیخ بدرالدین عینی جیسے مقتدر علماء کی یہی رائے ہے"۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"محمود پاشا فلکی جو قسطنطنیہ کا مشہور ہیّت دان اور منجم گزرا ہے اس نے علم ہیّت کے مطابق ایک زائچہ اس غرض سے مرتب کیا تھا کہ محمد ﷺ کے زمانے سے اپنے زمانے تک کے کسوف وخسوف (سورج گرہن و چاند گرہن) کا صحیح حساب معلوم کیا، پوری تحقیق کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ سنِ باسعادت میں کسی حساب سے بھی دوشنبہ (پیر) کا دن 12 ربیع الاول کو نہیں آتا، بلکہ 9 ربیع الاول کو آتا ہے، اس لیے بہ لحاظ قوت وصحت روایات اور باعتبار حساب ہیئت ونجوم ولادتِ مبارک کی مستند تاریخ 9 ربیع الاول ہے"۔

(تذکرہ خاتم الانبیاء ﷺ صفحہ 50)

6- حضرت عبداللہ بن العاص سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت یوم دوشنبہ کی صبح صادق کے طلوع کے وقت ہوئی۔

(زرقانی جلد 1 صفحہ 133)

7- ابن عساکر اور زبیر بن بکار نے معروف بن خربوز سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ دوشنبہ کے روز طلوع فجر کے وقت پیدا ہوئے۔

(خصائص کبریٰ جلد 1 صفحہ 51)

مذکورہ بالا اقوال سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی پیدائش 9 ربیع الاول کو ہوئی۔ اس پر جمہور علماء کا اتفاق ہے جیسا کہ پیچھے تفصیل سے گزرا۔ علماء دیوبند کا بھی اسی پر اتفاق ہے کہ آقا ﷺ کی ولادت باسعادت 9 ربیع الاول دوشنبہ (پیر) کو ہوئی۔ جبکہ کچھ مؤرخین نے اس کے علاوہ بھی اقوال نقل کیے ہیں۔ جو کہ پیش خدمت ہیں۔

8- مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"ولادت باسعادت کی تاریخ میں مشہور قول تو یہ ہے کہ حضور ﷺ 12 ربیع الاول کو پیدا ہوئے لیکن مؤرخین اور محدثین کے نزدیک راجح اور مختار قول یہ ہے کہ حضور ﷺ 8 ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے"۔

(سیرۃ المصطفیٰ ﷺ صفحہ 51)

9- علامہ قطب الدین قسطلانی کے مطابق بھی آقا ﷺ کی پیدائش 8 ربیع الاول کو ہوئی۔

(زرقانی جلد 1 صفحہ 131)

10- مولانا احمد رضا خان فاضل بریلی کے مطابق بھی آقا ﷺ کی پیدائش 8 ربیع الاول کو ہوئی۔

(فتاوی رضویہ)

مندرجہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اس پر اختلاف ہے کہ آقا ﷺ کی پیدائش کس تاریخ کو ہوئی؟ بعض نے 9 ربیع الاول کہی تو بعض نے 8 ربیع الاول کہی اور پہلا قول یعنی 9 ربیع الاول پر جمہور علماء کا اتفاق ہے۔ اسی طرح شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے بھی الگ قول نقل کیا ہے۔ "آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق آقا ﷺ کی پیدائش 10 محرم الحرام کو ہوئی"۔

(غنیۃ الطالبین)

دن کی طرح ماہ میں بھی بعض علماء نے اختلاف کیا ہے۔ لیکن راجح قول ربیع الاول کا ہی ہے۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی پر علماء کا اجماع اور اتفاق نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ ربیع الاول میں ہی پیدا ہوئے۔ جبکہ بعض کہتے ہیں کہ ربیع الآخر میں پیدائش ہوئی، بعض کہتے ہیں صفر میں پیدائش ہوئی، بعض کہتے ہیں کہ رجب میں پیدائش ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ رمضان المبارک میں پیدائش ہوئی مگر یہ تمام اقوال ضعیف ہیں۔

(زرقانی جلد 1 صفحہ 130)

بہر کیف 9 ربیع الاول والا قول راجح ہے اور اسی پر جمہور علماء کا اتفاق اور اجماع ہے اور 8 ربیع الاول والا جو قول ہے اس میں ایک بات غور طلب یہ ہے کہ واقعہ فیل چونکہ آنحضرت ﷺ کی ولادت سے 50 دن قبل پیش آیا۔ اس حساب سے دیکھا جائے تو محرم کے 13 دن، صفر کے 29 دن اور ربیع الاول کے 8 دن یہاں تک 50 دن بنتے ہیں اور اس حساب سے 8 ربیع الاول والا قول خود بخود منسوخ ہو جاتا ہے۔

(تذکرہ خاتم الانبیا ﷺ صفحہ 50)

ایک اور حساب سے دیکھا جائے تو 9 کو برتری حاصل ہے۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام میں

سب سے آخر میں ہمارے اور آپ کے محبوب حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے اسی طرح 9 کا ہندسہ بھی باقی ہندسوں میں سب سے آخری ہندسہ ہے۔ جیسا کہ ریاضی دان جانتے ہیں کہ ریاضی میں بنیادی طور پر دس ہندسے ہوتے ہیں (0,1,2,3,4,5,6,7,8,9) اس سے معلوم ہوا کہ 9 کا ہندسہ آخری ہندسہ ہے اس کے بعد کوئی نیا ہندسہ نہیں بلکہ پچھلے ہندسوں کو ہی جوڑ جوڑ کر اور ہندسے بنائے جاتے ہیں۔ اسی طرح آقا ﷺ آخری نبی ہیں ان کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔ عیسیٰ آئیں گے مگر وہ نبی بن کر نہیں بلکہ امتی بن کر آئیں گے۔ جس طرح ہمارے نبی ﷺ کو ہر چیز اعلی عطا کی گئی ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسی طرح ہمارے نبی ﷺ کو جس تاریخ کو دنیا میں بھیجا گیا وہ تاریخ بھی تمام تاریخوں سے اعلی ہے۔ اگر 9 کا ہندسہ جو ہے اس کا پہاڑا (Table) پڑھا جائے تو جو جواب آئے گا اس جواب کے جتنے ہندسے ہیں ان کو آپس میں جمع کریں تو پھر جواب 9 ہی آئے گا۔ مثلاً

☆ 9 کو 1 سے ضرب دیں تو پھر 9 ہی آئے گا۔

☆ اگر 9 کو دو سے ضرب دیں تو جواب 18 آتا ہے (9x2=18) اس جواب کو آپس میں جمع کریں تو (8+1=9) نو ہی آتا ہے۔

☆ اگر 9 کو تین سے ضرب دیں تو جواب ستائیس آتا ہے (9x3=27) اس جواب کو آپس میں جمع کریں تو جواب نو ہی آتا ہے (2+7=9)۔

☆ اگر نو کو چار سے ضرب دیں تو جواب چھتیس آتا ہے (9x4=36) اس جواب کو آپس میں جمع کریں تو جواب نو ہی آتا ہے (3+6=9)۔

☆ اگر نو کو پانچ سے ضرب دیں تو جواب 45 آتا ہے (9x5=45) اس جواب کو آپس میں جمع کریں تو جواب نو ہی آتا ہے (4+5=9)۔

☆ اگر نو کو چھ سے ضرب دیں تو جواب 54 آتا ہے (9x6=54) اس جواب کو آپس میں جمع کریں

تو جواب نو ہی آتا ہے (5+4=9)۔

☆ اگر نو کو سات سے ضرب دیں تو جواب 63 آتا ہے (9x7=63) اس جواب کو آپس میں جمع کریں تو جواب نو ہی آتا ہے (6+3=9)۔

☆ اگر نو کو آٹھ سے ضرب دیں تو جواب 72 آتا ہے (9x8=72) اس جواب کو آپس میں جمع کریں تو جواب نو ہی آتا ہے (7+2=9)۔

☆ اگر نو کو نو سے ضرب دیں تو جواب 81 آتا ہے (9x9=81) اس جواب کو آپس میں جمع کریں تو جواب نو ہی آتا ہے (8+1=9)۔

☆ اگر نو کو دس سے ضرب دیں تو جواب 90 آتا ہے (9x10=90) اس جواب کو آپس میں جمع کریں تو جواب نو ہی آتا ہے (9+0=9)۔

اسی طرح آگے ضرب دیتے جائیں جو جواب آئے اس کو آپس میں جمع کریں تو جواب نو ہی آئے گا۔ اسی طرح نو کو کسی بڑے ہندسے سے ضرب دیں تو جو جواب آئے اُسے آپس میں جمع کریں تو جواب نو ہی آئے گا۔ مثلاً

☆ اگر نو کو 136 سے ضرب دیں تو جواب 1224 آئے گا (9x136=1224) اس جواب کو آپس میں جمع کریں تو جواب نو ہی آتا ہے (1+2+2+4=9)۔

☆ اگر نو کو 252 سے ضرب دیں تو جواب 2268 آئے گا (9x252=2268) اس جواب کو آپس میں جمع کریں تو جواب 18 آتا ہے (2+2+6+8=18)۔ جواب میں چونکہ اب بھی دو ہندسے آئے ہیں اور میں نے پیچھے عرض کیا تھا کہ ریاضی میں اصل ہندسے ایک ایک ہیں یعنی (Single) ہیں تو اس کو جمع کر کے ایک ہندسہ بنایا جائے تو جواب پھر بھی نو ہی آتا ہے (1+8=9)۔

☆ اگر نو کو 1234 سے ضرب دیں تو جواب 11106 آئے گا (9x1234=11106) اس

جواب کو آپس میں جمع کریں تو جواب نو ہی آتا ہے (1+1+1+0+6=9)۔

☆ اگر نو کو 9876 سے ضرب دیں تو جواب 88884 آتا ہے (9x9876=88884)۔اس جواب کو آپس میں جمع کریں تو جواب 36 آتا ہے (8+8+8+8+4=36)۔اس جواب کو آپس میں جمع کریں تو جواب نو ہی آتا ہے (3+6=9)۔

الغرض اسی ترتیب سے نو کو بڑے سے بڑے ہندسے کے ساتھ ضرب دیں اور جو جواب آئے اس کو جمع کریں تو جواب نو ہی آئے گا۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ نو کا ہندسہ تمام ہندسوں پر فضیلت اور برتری والا ہے۔اور مؤرخین کے اقوال سے بھی ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت نو ربیع الاول ہی کو ہوئی۔ اگر اصحاب فیل والے واقعہ کے اعتبار سے حساب لگایا جائے تو پھر بھی ولادت باسعادت نو ربیع الاول کو ہی بنتی ہے۔ ریاضی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو پھر بھی نو کے ہندسے کو برتری معلوم ہوتی ہے۔تو معلوم ہوا کہ جس طرح آقا ﷺ کو ہر چیز اعلی و برتر دی گئی ہے اسی طرح آپ ﷺ کو پیدائش بھی اعلی و برتر دن یعنی نو ربیع الاول کو ہوئی۔

﴿ آقا ﷺ کا سلسلہ نسب ﴾

والد محترم کی طرف سے نسب:

حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ (حضرت آمنہ) بن عبدالمطلب (فاطمہ) بن ہاشم (سلمی) بن عبد مناف (عاتکہ) بن قصّی (حبّی) بن کلاب (فاطمہ) بن مرّہ (ہند) بن کعب (مخشیہ) بن لوی (ماریہ) بن غالب (عاتکہ) بن فہر (لیلیٰ) بن مالک (جندلہ) بن نضر (عکرشہ) بن کنانہ (برہ) بن خزیمہ (عوانہ-ہند) بن مدرکہ (سلمی) بن الیاس (لیلیٰ اخندف) بن مضر (رباب) بن نزار (سودہ) بن معد (معانہ) بن عدنان (مہدد)۔

والدہ محترمہ کی طرف سے نسب:

حضرت محمد ﷺ بن آمنہ بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

یہ شجرہ نسب درج ذیل کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(صحیح بخاری باب مبعث النبی ﷺ، سیرۃ مصطفیٰ صفحہ 17 تا 19، تذکرہ خاتم الانبیا ﷺ جلد 2 صفحہ

56، رحمۃ للعالمین جلد 2 صفحہ 25 تا 28، سیرۃ النبی ﷺ صفحہ 160، سیرۃ خاتم الانبیا ﷺ صفحہ 15، سیرۃ الرسول ﷺ صفحہ 13)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب نسب شریف کو بیان فرماتے تو عدنان سے تجاوز نہ فرماتے۔ عدنان تک پہنچ کر رک جاتے اور یہ فرماتے تھے۔

"كَذَبَ النَّسَابُوْنَ (نسب والوں نے غلط کہا)"

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد اول صفحہ 28)

حضرت عبدالمطلب کی اولاد

حضرت عبدالمطلب کی اولاد کے متعلق علماء میں اختلاف ہے کہ کتنے بیٹے تھے؟ بعض مؤرخین پندرہ بیٹے کہتے ہیں۔ اور بعض بارہ کہتے ہیں۔ مگر مشہور اور جمہور علماء کا اتفاق بارہ پر ہے۔

1- "حضرت عبدالمطلب کے بارہ بیٹے تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حارث، قثم، زبیر، ابو طالب، حضرت عبداللہ، ابولہب، عبدالکعبہ، حجل، ضرار، غنداق"۔

(تذکرہ خاتم الانبیا ﷺ جلد 2 صفحہ 392)

2- "عبدالمطلب کے بارہ بیٹے یہ ہیں۔ حارث، زبیر، ابو طالب، حضرت عبداللہ، عبدالکعبہ، ابولہب (عبدالعزّٰی)، حجل (غیداق) مغیرہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، ضرار، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، مصعب"۔

(رحمۃ للعالمین ﷺ جلد 2 صفحہ 71)

3- "عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے۔ حارث، زبیر، حجل، ضرار، المقوم، ابولہب، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، ابو طالب"۔

(تاریخ ابن کثیر البدایہ والنہایہ صفحہ 552)

4- "عبدالمطلب کے دس یا بارہ بیٹے تھے"۔

(سیرۃ النبی ﷺ صفحہ 168)

بہر کیف خلاصہ کلام یہ ہے کہ عبدالمطلب کی اولاد کے بارے میں تین طرح کے اقوال ہیں۔ بعض نے دس لکھے ہیں، بعض نے بارہ اور بعض نے پندرہ لکھے ہیں۔ مگر جمہور کے نزدیک جیسا کہ پہلے گزر چکا کہ بارہ بیٹوں پر اتفاق ہے۔

"عبدالمطلب کی بیٹیوں کی تعداد چھ تھی۔

۱۔ام حکیم ۲۔بیضاء ۳۔امیمہ ۴۔اردٰی ۵۔برّہ

۶۔عاتکہ"۔

(رحمۃ للعالمین ﷺ جلد 2 صفحہ 71)

عبدالمطلب کی یہ سب اولاد چھ بیبیوں سے ہوئی جو کہ درج ذیل ہیں۔

"۱۔صفیہ بنت جنید ۲۔فاطمہ بنت عمرو بن عایذ ۳۔لبنٰی بنت ہاجر

۴۔ہالہ بنت وسیب ۵۔تنیلہ بنت خیاب ۶۔منعمۃ بنت عمرو بن مالک"

(رحمۃ للعالمین ﷺ جلد 2 صفحہ 71)

۱۔ حارث بن عبدالمطلب:

عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے حارث تھے۔ان ہی کے نام پر عبدالمطلب کی کنیت ابوالحارث تھی، یہ اپنے والد کی حیات ہی میں فوت ہو گئے تھے۔

(طبقات ابن سعد)

حارث کے چار فرزند تھے اور وہ چاروں مسلمان ہو گئے تھے۔ان فرزندوں میں

i۔نوفل رضی اللہ عنہ ii۔عبداللہ رضی اللہ عنہ iii۔ربیعہ رضی اللہ عنہ iv۔ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہیں۔یہ چاروں آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی تھے۔

i۔نوفل رضی اللہ عنہ بن حارث بن عبدالمطلب:

یہ حارث کے بیٹے تھے۔غزوہ بدر میں کفار کی جانب تھے۔غزوہ خندق یا فتح مکہ میں مسلمان ہوئے۔غزوہ حنین میں تین ہزار نیزے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اعانت

لشکر اسلام کے لیے پیش کیے تھے۔ اس وقت یہ ہاشمی مسلمانوں میں سب سے زیادہ عمر کے تھے۔ 25ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔

(الاستیعاب صفحہ 23)

نوفل رضی اللہ عنہ کے تینوں فرزند (الف) مغیرہ رضی اللہ عنہ (ب) عبداللہ رضی اللہ عنہ (ج) حارث رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں۔

الف) مغیرہ رضی اللہ عنہ بن نوفل رضی اللہ عنہ بن حارث:

آپ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے عہد میں قاضی مدینہ رہے۔ ابن ملجم شقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب زخمی کیا تو اسے آپ رضی اللہ عنہ ہی نے گرفتار کیا تھا۔ سیدہ امامہ رضی اللہ عنہا بنت زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ان ہی سے ہوا تھا اور ایک بیٹا یحیٰی بن مغیرہ پیدا ہوا تھا۔

ب) عبداللہ رضی اللہ عنہ بن نوفل رضی اللہ عنہ بن حارث:

آپ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاکم کوفہ بنایا تھا۔ آپ کا چہرہ کسی قدر آقا ﷺ سے مشابہت رکھتا تھا۔

ج) حارث رضی اللہ عنہ بن نوفل رضی اللہ عنہ بن حارث:

آپ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاکم مکہ بنایا تھا۔ اہل بصرہ یزید پلید کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا امیر بنانا چاہتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال 63ھ میں ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے فرزند عبداللہؓ (جو کہ ببّہ کے نام سے مشہور ہوئے) بھی صحابی ہیں۔

ii۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن حارث بن عبدالمطلب:

آپ رضی اللہ عنہ بھی حارث کے بیٹے تھے۔آپ نے آقا ﷺ کی زندگی میں ہی انتقال فرمایا۔آقا ﷺ نے آپ کو سعید خطاب دیا تھا۔

iii۔ربیعہ رضی اللہ عنہ بن حارث بن عبد المطلب:

آپ رضی اللہ عنہ بھی حارث کے فرزند تھے۔آپ کی کنیت ابوارو ئے تھی۔آقا ﷺ نے فتح مکہ کے خطبہ میں آپ ہی کا نام لیا تھا۔"وان اول دم اضعه دم ابن ربیعه بن حارث (پہلا مطالبہ خون کا جسے میں ملیا میٹ کرتا ہوں، وہ ربیعہ بن الحارث کا مطالبہ ہے)"۔اسکا احوال کچھ یوں ہے کہ ربیعہ رضی اللہ عنہ کا ایک فرزند شیر خوار دشمنوں نے مار ڈالا تھا۔نبی اکرم ﷺ نے پچھلے جھگڑوں کا خاتمہ کرنے کے لیے اس کا خون معاف کر دیا تھا۔

(رحمۃ للعالمین ﷺ جلد 2 صفحہ 73)

آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال 23ھ میں ہوا۔آپ کے دو فرزند عبد المطلب رضی اللہ عنہ اور مطلب رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں۔عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے دمشق میں بعد حکومت یزید پلید انتقال فرمایا۔اور مطلب رضی اللہ عنہ حیات نبوی ﷺ میں بالغ نہ ہوئے تھے کہ وفات پا گئے تھے۔

iv۔ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حارث بن عبد المطلب:

آپ رضی اللہ عنہ بھی حارث کے بیٹے تھے۔آپ آقا ﷺ کے رضاعی بھائی بھی ہیں۔آپ نے حلیمہ السعدیہ کا دودھ پیا تھا۔ابتدائے اسلام میں نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے مخالف رہے مگر فتح مکہ سے چند دن پہلے مسلمان ہو گئے۔غزوہ حنین میں جو صحابہ ثابت قدم رہے تھے ان میں ابوسفیان کو بھی امتیاز حاصل تھا۔عرب کے مشہور شعراء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔آپ نے آقا ﷺ کی وفات پر شعر پڑھے تھے۔

ارقت فبات لیلی لا یزول | ولیل افی المصیبة فیه طول
میں جاگ رہا ہوں اور رات ختم ہونے میں نہیں آتی | ہاں مصیبت زدہ کی رات لمبی ہی ہوا کرتی ہے

فاسعد فی البکاء و ذاک فی ما | اصیب المسلمون به قلیل
میں بے اختیار رو رہا ہوں اور یہ تو | اس مصیبت کے مقابلے میں جو مسلمان پر آئی بہت ہی کم ہے

لقد عظمت مصیبتنا و جلت | عشیة قیل قد قبض الرسول
اس روز ہماری مصیبتوں کی کچھ انتہا نہ رہ گئی | جب لوگ یہ کہنے لگے کہ رسول اللہ بلائے گئے

نبی اکرم ﷺ کو بھی ان سے بہت محبت تھی۔ ایک حدیث میں ہے۔

ابو سفیان بن الحارث من شباب اهل الجنة

ابوسفیان بہشتی جوانوں میں سے ہے

یا

سید فتیان اهل الجنة

بہادران بہشتی کا سردار ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔

ابو سفیان خیر اهلی

ابوسفیان میرے اھل میں اچھا ہے

یا

من خیر اهلی

میرے اچھے اھل میں سے ہے۔

علماء کا قول ہے کہ کل الصید فی جوف الفراء (فراء کے اندر سارے ہی شکار آجاتے ہیں) کی مثال نبی اکرم ﷺ نے ان ہی کی شان میں فرمائی تھی۔

(الاستیعاب صفحہ 709)

ان کے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ اور جعفر رضی اللہ عنہ دونوں صحابی ہیں۔ جعفر رضی اللہ عنہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ غزوہ حنین میں شامل تھے اور عہد سلطنت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں وفات پائی۔

۲۔ ابوطالب بن عبدالمطلب:

ان کا اصل نام عبد مناف تھا۔ مگر کنیت نام پر غالب آ گئی تھی۔ آپ کو آقا ﷺ سے بہت زیادہ پیار تھا۔ اور آخر تک آپ ﷺ کے ناصر اور فدائی رہے۔ آپ کے چار بیٹے تھے۔

i۔ طالب　ii۔ عقیل رضی اللہ عنہ　iii۔ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ　iv۔ جعفر رضی اللہ عنہ

آپ کی دو بیٹیاں تھیں۔

i۔ ام ہانیؓ　ii۔ جمانہ

ابوطالب مسلمان ہوئے یا نہیں؟

ابوطالب آقا ﷺ کے چچا تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ بہت زیادہ محبت تھی۔ مگر ایمان نہ لا سکے۔ جمہور علماء اور اہلسنت والجماعت کے نزدیک ابوطالب بغیر ایمان لائے یعنی کفر ہی کی حالت میں فوت ہوئے۔ آقا ﷺ نے جب ابوطالب کا آخری وقت تھا تو فرمایا کہ اے چچا کلمہ پڑھ لو تا کہ میں کل قیامت کے دن آپ کی سفارش کر سکوں۔ مگر انہوں نے کلمہ نہ پڑھا اور کہا کہ اے بھتیجے اگر ان لوگوں کا مجھے ڈر نہ ہو تا کہ موت سے ڈر کر بھتیجے کا دین قبول کر لیا ہے تو میں کلمہ پڑھ کر تیری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ اس پر قرآن کی یہ آیت "انک لا تهدی من احببت ولکن الله یهدی من یشآء" نازل ہوئی۔

(القصص آیت نمبر 56)

ا۔ امام بغوی فرماتے ہیں۔

"نزلت فی ابی طالب قال له النبی قل لا اله الا الله اشهد لک بها یوم القیمة. قال لولا ان تغیرنی قریش. یقول انما حمله علی ذالک الجزع لا قررت بها عینک فانزل الله تعالی هذه الایة"۔

(تفسیر بغوی جلد 3 صفحہ 450)

"یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان سے نبی اکرم ﷺ نے کہا کہ لا الہ اللہ کہہ دیجئے تا کہ میں قیامت کے دن اس کی گواہی دے سکوں تو ابوطالب نے کہا کہ اگر مجھے قریش کی اس عار کا کہ موت کے ڈر سے ایمان لا رہا ہے، خوف نہ ہوتا تو میں آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا۔ اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی"۔

۲۔ مشہور درسی تفسیر جلالین میں ہے۔

"نزل فی حرصه ﷺ علی ایمان عمه ابی طالب"

(جلالین صفحہ 332)

"یہ آیت نبی اکرم ﷺ کے اپنے چچا کے ایمان لانے کی حرص کرنے کی وجہ سے نازل ہوئی"۔

۳۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں۔

"قال الزجاج اجمع المسلمون انها نزلت فی ابی طالب"۔

(تفسیر کشاف، اس آیت انک لا تهدی .... کے تحت)

"زجاج نے کہا کہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی"۔

۴۔ امام قرطبی رحمة الله علیه لکھتے ہیں۔

"قال الزجاج اجمع المسلمون علی انها نزلت فی ابی طالب. قلت و الصواب ان یقال اجمع المفسرین علی انها نزلت فی شان ابی طالب عم النبی ﷺ و هو نص (حدیث) البخاری و مسلم"۔

(تفسیر قرطبی جلد 13 صفحہ 299)

"زجاج نے کہا کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ میں کہتا ہوں کہ صحیح یہ ہے کہ جلیل القدر مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابو طالب، آپ ﷺ کے چچا کے بارے میں نازل ہوئی۔ بخاری اور مسلم کی حدیث بھی اس پر نص ہے"۔

۵۔ امام نسفی رحمة الله علیه فرماتے ہیں۔

"قال الزجاج اجمع المفسرون علی انها نزلت فی ابی طالب و ذالک انه قال عند موته یا معشر بنی هاشم صدقوا محمد تفلحوا. فقال ﷺ یا عم تامرهم بالنصیحة لانفسهم وتدعها النفسک. قال فما ترید یابن اخی؟ قال ارید منک ان تقول لا اله الا الله اشهد لک بها عندالله قال یا بن اخی انا قد علمت صادق الکنی اکره ان یقال جزع عند الموت"۔

(تفسیر القرآن الجلیل لابی البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی جلد 4 صفحہ 61)

"زجاج نے کہا مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب اس نے اپنی موت کے وقت بنی ہاشم (کے ایک گروہ) سے کہا: محمد (ﷺ) کی تصدیق کرو، کامیاب ہو جاؤ گے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے چچا آپ دوسروں کو تو نصیحت کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو چھوڑ رہے ہیں، اس نے کہا: اے بھتیجے آپ کیا چاہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں آپ سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ لا اله الا الله کہہ دیں، میں اللہ تعالی کے پاس اس کی گواہی دے دوں۔ ابو طالب نے کہا: اے بھتیجے میں جانتا ہوں کہ آپ سچے ہیں لیکن میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ یہ کہا جائے کہ اس نے موت کے وقت ڈر کر یہ کلمہ کہہ دیا"۔

۶۔ عبدالحق حقانی رحمة الله علیه لکھتے ہیں۔

"زجاج کہتے ہیں تمام اہل اسلام متفق ہیں کہ یہ آیت ابی طالب کے بارے میں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بہت کچھ چاہا کہ ایمان لاویں پر ایمان نہ لائے"۔

(تفسیر حقانی جلد 6 صفحہ 8)

۷۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمة الله عنه فرماتے ہیں۔

" صحیح مسلم میں اس آیت کا نزول ابو طالب کے بارے میں مروی ہے۔ لیکن عموم الفاظ سے دوسروں کو بھی شامل ہے"۔

(بیان القرآن جلد 8 صفحہ 114)

۸۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"حضرت نے اپنے چچا کے واسطے سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ ہی کہے اس نے قبول نہ کیا اس پر یہ آیت اتری"۔ (انک لا تھدی.........کی تفسیر میں)

(القرآن الکریم حافظ کمپنی صفحہ 351 حاشیہ میں)

۹۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کے واسطے سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ لے۔ اس نے قبول نہ کیا۔ اس پر یہ آیت اتری"۔

(تفسیر عثمانی صفحہ 507 حاشیہ میں)

۱۰۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ ابو طالب کے متعلق اتری اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس نے اپنی موت کے وقت کہا۔ یا معشر بنی ہاشم۔ صدقوا محمدًا تفلحوا۔ اے ہاشمیوں تم محمد ﷺ کی تصدیق کروتو کامیاب ہو جاؤ گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ یا عم تامرھم بالنصیحۃ لا نفسھم و تدعھا لنفسک۔ اے چچا تم ان کو نصیحت کرتے ہو اور اپنے آپ کو چھوڑتے ہو۔ تو خواجہ ابو طالب نے کہا۔ اے بھتیجے تو کیا چاہتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ تو لا الہ الا اللہ کہہ دے۔ تاکہ میں

اللہ تعالی کے ہاں تیرے متعلق گواہی دے سکوں۔ اس نے کہا کہ اے بھتیجے۔ میں جانتا ہوں کہ تو سچا ہے۔ لیکن میں ناپسند کرتا ہوں کہ یہ کہا جائے کہ موت کے وقت اس نے بزدلی اختیار کی"۔

(تفسیر مدارک للنسفی اردو (مدارک التنزیل و حقائق التاویل) مکتبہ العلم جلد 2 صفحہ 978)

۱۱۔ "یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب نبی اکرم ﷺ کے ہمدرد اور غمگسار چچا جناب ابوطالب کا انتقال ہونے لگا تو آپ ﷺ نے کوشش کی کہ چچا اپنی زبان سے ایک مرتبہ لا الہ الااللہ کہہ دیں تا کہ قیامت والے دن میں اللہ سے ان کی مغفرت کی سفارش کرسکوں۔ لیکن وہاں دوسرے رؤسائے قریش کی موجودگی کی وجہ سے ابوطالب قبول ایمان کی سعادت سے محروم رہے اور کفر پر ہی ان کا خاتمہ ہوگیا"۔

(شاہ فہد قرآن کریم صفحہ 1088 حاشیہ میں)

قارئین ذی وقار: آپ نے پڑھا کہ تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت انک لا تھدی من۔۔۔۔۔۔۔۔۔ابوطالب کی وفات کے وقت نازل ہوئی جب حضور ﷺ نے اُسے کلمہ پڑھنے کو کہا اور اس نے نہ پڑھا اور یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ابوطالب ایمان نہ لا سکے اور کفر پر ہی موت آئی۔ اگر کسی کا عقیدہ اس کے برخلاف ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ کذاب ہے۔ یہی علماء دیوبند کا عقیدہ ہے کہ ابوطالب کفر پر مرے۔

ابو طالب بطور کفیل

تاجدار دو جہاں، سرکار دو عالم ﷺ جب اس دنیا میں تشریف لائے تو باپ کا سایہ اٹھ چکا تھا۔ اور جمہور علماء کے نزدیک آپ ﷺ کی ولادت سے دو ماہ قبل حضرت عبداللہ اس دنیا فانی کو خیر آباد کہہ چکے تھے۔
"حضرت عبداللہ بغرض تجارت قافلہ کے ساتھ شام تشریف لے گئے۔ راستہ میں بیماری کی وجہ سے مدینہ منورہ ٹھہر گئے۔ قافلہ جب مکہ مکرمہ پہنچا تو عبدالمطلب نے دریافت کیا کہ عبداللہ کہاں رہ گئے۔ قافلہ والوں نے کہا کہ بیماری کی وجہ سے اپنے ننھیال بنی نجار میں مدینہ منورہ ٹھہر گئے۔ عبدالمطلب نے فوراََ اپنے بڑے فرزند حارث کو مدینہ روانہ کیا۔ مدینہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ عبداللہ کا انتقال ہو چکا ہے (انا لله وانا الیه راجعون)۔ ایک ماہ بیمار رہے اور انتقال کے بعد مدینہ منورہ ہی میں نابغہ کے مکان میں مدفون ہوئے۔ حارث نے واپس ہو کر عبدالمطلب اور خویش و اقارب کو اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع دی۔ جس سے سب کو صدمہ اور ملال ہوا"۔

(زرقانی جلد 1 صفحہ 109)

حضرت عبداللہ کی عمر کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ 30 سال تھی، بعض نے 28 سال لکھی ہے، بعض نے 25 سال لکھی ہے مگر جمہور کے نزدیک آپ کی عمر 18 سال تھی۔ اب ہم جمہور کے قول پر حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔

ا۔ "ہمارے نزدیک 18 سال کا قول قوی معلوم ہوتا ہے کیونکہ نکاح کے وقت آپ کی عمر 17 سال تھی اور آپ نکاح کے کچھ ہی دن بعد تجارتی سفر پر چلے گئے تھے"۔

(تذکرہ خاتم الانبیا ﷺ جلد 2 صفحہ 35)

۲۔ حافظ علائی اور عسقلانی فرماتے ہیں۔
" صحیح یہی ہے کہ وفات کے وقت اٹھارہ 18 سال کا سن تھا اور علامہ سیوطی نے بھی اس کو ترجیح دی ہے"۔
(زرقانی جلد 1 صفحہ 109)

۳۔ "سردار عبداللہ کا انتقال 25 سال کی عمر میں ہوا تھا۔ جب نبی کریم ﷺ ہنوز شکم مادر ہی میں تھے"۔

(رحمۃ للعالمین ﷺ جلد 2 صفحہ 93)

۴۔ "عبداللہ کی عمر شادی کے وقت 17 سال تھی اور آپ شادی کے بعد تجارت کے لیے شام گئے واپسی پر راستہ میں انتقال ہو گیا"۔ (یعنی 18 سال والا قول صحیح معلوم ہوتا ہے)
(سیرۃ النبی ﷺ صفحہ 169)
مندرجہ بالا عبارتوں سے یہ معلوم ہوا کہ آقا ﷺ کی ولادت سے قبل ان کے والد کا سایہ اٹھ چکا تھا۔ یعنی آپ ﷺ باپ کی شفقت نہ پا سکے۔ اسی کو رب کریم نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا۔
الم یجدک یتیما فاوی o (سورہ الضحیٰ آیت نمبر 6)
(اے پیغمبر ﷺ کیا اس خدا نے تجھ کو یتیم نہیں پایا)
(ترجمہ شاہ رفیع الدین دہلوی صاحب رحمۃ اللہ عنہ 1235ھ و نواب وحید الزماں خان صاحب 1338ھ)
جب آقا ﷺ کی ولادت ہوئی تو حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ بہت سے حیرت انگیز واقعات

دیکھے۔ اگر ان واقعات کو نقل کرنا شروع کر دیا جائے تو اس کے لیے ایک الگ کتاب چاہیے مگر اس وقت چونکہ ہمارا یہ موضوع نہیں۔ تو عرض کر رہا تھا کہ آپ ﷺ یتیم پیدا ہوئے۔ اور آپ ﷺ کی عمر مبارک چھ 6 برس ہوئی تو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ بھی دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

ا۔ "حضرت آمنہ کا سن وفات 576ء بیان کیا گیا ہے، اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک چھ 6 سال تھی، اس چھ 6 سال کی عمر میں آپ ﷺ صرف دو سال اور کچھ دن والدہ ماجدہ کے زیر سایہ رہے"۔
(تذکرہ خاتم الانبیا ﷺ جلد 2 صفحہ 64)

۲۔ "جب آپ ﷺ کی عمر مبارک چھ سال ہوئی تو حضرت آمنہ نے مدینہ کا قصد فرمایا اور آپ ﷺ کو بھی ساتھ لے گئیں۔ ام ایمن بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ ایک ماہ اپنے میکے میں قیام کیا۔ پھر آپ ﷺ کو لے کر واپس ہوئیں۔ راستہ میں ابواء کے مقام پر حضرت آمنہ نے انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئیں (انا للہ و انا الیہ راجعون)"۔

(زرقانی جلد 1 صفحہ 160 تا 163)

۳۔ "جب آپ ﷺ کا سن چھ سال کا ہوا تو آپ ﷺ کی والدہ آپ ﷺ کے دادا کا ننہیال دکھانے کے لیے یثرب لے گئیں، وہ اپنے محبوب شوہر حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی قبر پر بھی جانا چاہتی تھیں، مکہ واپس ہوتے ہوئے ایک مقام پر جس کو ابواء کہتے ہیں، بی بی آمنہ کا انتقال ہو گیا"۔
(نبی رحمت ﷺ جدید ایڈیشن صفحہ 131)

۴۔ "آنحضرت ﷺ کی عمر جب چھ برس کی ہوئی تو آپ ﷺ کی والدہ آپ ﷺ کو لے کر مدینہ گئیں، چونکہ آنحضرت ﷺ کے دادا کی تنھیال خاندان بنجار میں تھی، وہیں ٹھہریں۔ اس سفر میں ام ایمن

بھی ساتھ تھیں۔واپس آتے ہوئے جب مقام ابواء (ابواء ایک گاؤں کا نام ہے ۔ طبقات ابن سعد) میں پہنچیں تو انتقال ہوگیا"۔

(ملخص سیرت النبی ﷺ جلد 1 صفحہ 178)

مندرجہ بالا عبارتوں سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ کی عمر مبارک چھ سال ہوئی تو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ بھی اس دنیائے فانی کو خیر آباد کہہ گئیں۔والد ماجد تو پہلے ہی فوت ہو چکے تھے اب والدہ ماجدہ کا سایہ بھی اُٹھ گیا تو آپ ﷺ کی پرورش آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب نے شروع کی۔عبد المطلب آپ ﷺ سے بے حد محبت فرماتے تھے۔آپ ﷺ جب چاہتے ان کے پاس چلے جاتے اور ان کی مسند پر بیٹھ جاتے جہاں عبد المطلب کسی کو نہ بیٹھنے دیتے تھے۔

(قرۃ العیون جلد 1 صفحہ 56)

آپ ﷺ کی پرورش عبد المطلب کرنے لگے مگر زیادہ عرصہ آپ بھی پرورش نہ کر سکے اور صرف دو سال کے بعد آپ بھی چل بسے۔عبد المطلب کا آپ ﷺ کو عزیز رکھنا ایک مسلم واقعہ ہے۔ لیکن مارگولس صاحب کو دادا کا پوتے پر مہربان ہونا بھی گوارا نہیں ۔ لکھتے ہیں کہ "یتیم لڑکے کی حالت کچھ اچھی نہ تھی اور اخیر زندگی میں ان کے چچا حمزہ (رضی اللہ عنہ) نے نشہ کی حالت میں محمد (ﷺ) کو طنزاً اپنے باپ کا غلام کہا تھا"۔

(لائف آف محمد ﷺ از مارگولس صفحہ 45 تا 49)

بہر کیف یہ بات مسلم ہے کہ آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب آپ ﷺ سے بے حد محبت فرماتے تھے۔

ا۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر فرماتے ہیں۔

"متعدد مستند روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دادا عبد المطلب آپ ﷺ کو حد سے زیادہ چاہتے اور اپنا زیادہ وقت آپ ﷺ کی پرورش اور دیکھ بھال میں صرف کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب بیت اللہ کی تولیت کے زمانے میں وہاں جس مسند پر تشریف فرما ہوئے تو دوسرے لوگ احتراماً اس مسند کے گرد وپیش بیٹھا کرتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ جب کبھی وہاں جاتے تو آپ ﷺ کے دادا آپ ﷺ کو اپنے برابر مسند پر بٹھایا کرتے تھے"۔

(تاریخ ابن کثیر البدایہ النہایہ جلد 2 صفحہ 584)

۲۔ قاری شریف احمد صاحب رقمطراز ہیں۔

"جناب عبد المطلب کو دو صدموں نے آگھیرا، ایک صدمہ بیٹے کی وفات کا، دوسرا صدمہ بہو کی وفات کا، اب دونوں کی زندہ نشانی اور یادگار دل بے قرار دُرِ یتیم جناب محمد الرسول اللہ ﷺ آپ کی محبت و شفقت کا مرکز بن گئے اور آپ ﷺ کو دل و جان سے خدمت کر کے اپنے زخم خوردہ دل کو تسکین دیتے رہتے تھے"۔

(تذکرہ خاتم الانبیا ﷺ جلد 2 صفحہ 64)

۳۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمة الله عليه رقمطراز ہیں۔

"اس کے بعد آپ ﷺ دادا کے سایہ شفقت میں رہے، جو آپ ﷺ کو دل و جان سے زیادہ چاہتے تھے، اور کسی وقت آپ ﷺ سے غافل نہ ہوتے تھے۔ کعبہ کے سایہ میں اپنے فرش پر آپ ﷺ کو اپنے ساتھ بٹھاتے اور طرح طرح سے محبت و شفقت کا اظہار کرتے"۔

(نبی رحمت ﷺ جدید ایڈیشن صفحہ 131)

قارئین ذی وقار! مندرجہ بالا عبارتوں سے واضح ہوا کہ عبد المطلب آپ ﷺ سے بے حد

پیار کرتے اور آپ ﷺ کو دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ جب کہ مارگولوس صاحب نے انتہائی سفا کی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب میں عبدالمطلب کے بارے میں جو لکھا ہے قابل تردید ہے۔ عبدالمطلب کا انتقال جب ہوا تو آپ ﷺ کی عمر مبارک آٹھ برس تھی۔

ا۔ "عبدالمطلب نے بیاسی 82 سال کی عمر میں وفات پائی اور حجون میں مدفون ہوئے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک آٹھ برس تھی"۔

(سیرۃ النبی ﷺ جلد 1 صفحہ 176)

۲۔ "جب آپ ﷺ کی عمر مبارک آٹھ برس ہوئی تو دادا عبدالمطلب کا بھی انتقال ہو گیا"۔

(سیرۃ ابن ہشام جلد 1 صفحہ 168 تا 169)

۳۔ "وفات کے بعد جب جنازہ اٹھایا گیا تو آنحضرت ﷺ جنازے کے ساتھ روتے ہوئے چل رہے تھے۔ آپ ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کو اپنے دادا عبدالمطلب کی وفات یاد ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا۔ ہاں بالکل یاد ہے، اس وقت میری عمر آٹھ سال تھی"۔

(تذکرہ خاتم الانبیا ﷺ جلد 2 صفحہ 66)

۴۔ "جب عمر شریف آٹھ سال کو پہونچی تو عبدالمطلب بھی اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ علی اختلاف الاقوال بیاسی یا پچاسی یا پچانوے یا ایک سو دس یا ایک سو بیس سال کی عمر میں انتقال کیا اور حجون میں مدفون ہوئے"۔

(سیرۃ المصطفیٰ ﷺ جلد 1 صفحہ 87)

۵۔ "جب آپ ﷺ کی عمر مبارک آٹھ سال ہوئی تو دادا عبد المطلب کا بھی انتقال ہو گیا۔ اور آپ ﷺ کو یتیمی کا ذائقہ پھر چکھنا پڑا"۔

(نبی رحمت ﷺ جدید ایڈیشن صفحہ 132)

مندرجہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ عبد المطلب کی عمر کے بارے میں اختلاف ہے کہ کتنی تھی۔ بعض کے نزدیک 82 سال، بعض کے نزدیک 85 سال، بعض کے نزدیک 95 سال، بعض کے نزدیک 110 سال اور بعض کے نزدیک 120 سال تھی۔ اور آپ حجون میں مدفون ہوئے۔ اور یہ بات تو مسلم ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک آٹھ برس تھی۔ اب چونکہ آپ ﷺ کی پرورش عبد المطلب فرما رہے تھے اور وہ فوت ہو گئے تو آپ ﷺ کی پرورش آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے شروع کی۔ آپ ﷺ سے ابو طالب عبد المطلب کی طرح بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ اور آپ ﷺ کی کفالت بھی انہوں نے کی۔ جمہور علماء کے نزدیک آپ ﷺ کی پرورش ابو طالب نے کی اور 42 سال آپ ﷺ کے لیے ڈھال بنے رہے۔

ا۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر رقمطراز ہیں۔

"جب جناب عبد المطلب وفات پا گئے تو ان کی وصیت کے مطابق آنحضرت ﷺ کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے لے لی۔ ویسے اس سے قبل بھی آپ ﷺ انہی کے ساتھ مکہ سے باہر جایا کرتے تھے"۔

(تاریخ ابن کثیر البدایہ والنہایہ حصہ دوئم صفحہ 584)

۲۔ سیرت ابن ہشام میں ہے۔

"دادا کے انتقال کے بعد آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ رہنے لگے، جو آپ ﷺ کے والد کے حقیقی بھائی تھے، عبد المطلب ان کو آپ ﷺ کی خبر گیری اور حسنِ سلوک کی وصیت برابر کرتے رہتے تھے اور اس لیے وہ یکسو ہو کر آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو گئے اور اپنے صاجزادوں علی رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ، عقیل رضی اللہ عنہ سے زیادہ نرمی، شفقت اور نگہداشت و پرورش کا معاملہ حضور ﷺ کے ساتھ رکھا"۔

(سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ 179)

۳۔ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید سلمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"عبد المطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے، ان میں سے آنحضرت ﷺ کے والد عبد اللہ اور چچا ابو طالب ماں جائے بھائی تھے، اس لیے عبد المطلب نے آنحضرت ﷺ کو ابو طالب ہی کے آغوش تربیت میں دیا، ابو طالب آنحضرت ﷺ سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ آپ ﷺ کے مقابلے میں اپنے بچوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے، سوتے تو آنحضرت ﷺ کو ساتھ لے کر سوتے اور باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے"۔

(سیرۃ النبی ﷺ جلد 1 صفحہ 177)

۴۔ حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"عبد المطلب کی وفات کے بعد آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کی آغوش تربیت میں آ گئے ابو طالب نے آپ ﷺ کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھا اور اس شفقت اور محبت سے مرتے دم تک آپ ﷺ کی تربیت کی کہ حق یہ ہے کہ تربیت اور کفالت کا حق پورا پورا ادا کر دیا"۔

(سیرۃ المصطفیٰ ﷺ جلد 1 صفحہ 88)

۵۔ "مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"آپ ﷺ دادا کے انتقال کے بعد اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ رہنے لگے۔ ابو طالب نے اپنے بیٹوں سے زیادہ شفقت اور نگہداشت و پرورش کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رکھا"۔

(نبی رحمت ﷺ صفحہ 132)

۶۔ فاضل دیوبند مولانا نافع صاحب رحمۃ اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"بعض لوگ مسئلہ کفالت نبوی ﷺ میں تجاوز کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے کفیل ابو طالب نہیں تھے بلکہ زبیر بن عبد المطلب تھے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی کفالت کا ذمہ لے رکھا تھا۔ مگر یہ مسئلہ تحقیق کے مطابق نہیں اور علماء اکرام نے زبیر بن عبد المطلب کے بجائے ابو طالب کی کفالت کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور اسی کو ترجیح دی ہے"۔

(سیرت سیدنا علی المرتضیٰ ؓ صفحہ 20)

۷۔ قاری شریف احمد صاحب فرماتے ہیں۔

"خدا نے آپ کے ذہن میں (عبد المطلب کے) بات ڈالی کہ عبد اللہ اور ابو طالب دونوں میرے بیٹے اور دونوں ایک ہی ماں سے پیدا شدہ اور حقیقی بھائی ہیں۔ اس لیے ابو طالب اپنے بھتیجے کا پورا پورا خیال رکھیں گے، چنانچہ ان کا یہ خیال بالکل صحیح ثابت ہوا، اور یہ حقیقت ہے کہ ابو طالب نے آپ ﷺ کی خدمت کا حق ادا کر دیا، اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھا آپ ﷺ کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور آپ ﷺ کی راحت کو اپنی راحت سمجھا۔ ہمیشہ اپنے ساتھ کھلایا، اپنے ساتھ سلایا"۔

(تذکرہ خاتم الانبیا ﷺ جلد 2 صفحہ 66)

۸۔ سید محمد اسمٰعیل صاحب رقمطراز ہیں۔

"دادا مرتے وقت یتیم پوتے کو اپنے بیٹے ابوطالب کے حوالے کر گئے اور رسول پاک ﷺ کی معصوم زندگی ایک نئے دور میں داخل ہوئی"۔

(رسول عربی ﷺ اور عصر جدید صفحہ 42)

۹۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

"آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے بھی وفات پائی، اور اب آنحضرت ﷺ کی پرورش کے کفیل ابوطالب ہوئے"۔

(سیرت الرسول ﷺ اردو صفحہ 16)

۱۰۔ "ابوطالب حضور ﷺ کے حقیقی چچا ہیں، آپ ﷺ کے کفیل پرورش ہونے کے بعد بغیر آپ ﷺ کے کھانا نہ کھاتے تھے، اور چونکہ عیالدار تھے اور متمول بھی نہ تھے، جب کبھی دسترخوان پر نہ ہوتے سیر نہ ہوتے اور آپ ﷺ کی برکت سے سیراب ہوجاتے تھے"۔

(قرۃ العیون صفحہ 557)

۱۱۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ رقمطراز ہیں۔

"عبدالمطلب بھی دنیا سے رحلت فرما گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے حقیقی چچا ابوطالب آپ ﷺ کے ولی ہوئے اور ان کے پاس رہے"۔

(سیرت خاتم الانبیا ﷺ صفحہ 24)

اور یہ سیرت خاتم الانبیا ﷺ (مصنف مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ) وہ کتاب ہے کہ

جس پر بڑے بڑے اکابرین کی تقاریظ موجود ہیں۔ چنانچہ مفتی اول دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی صاحب رحمۃ اللہ عنہ نے تقریظ لکھی۔

(سیرت خاتم الانبیا ﷺ صفحہ 7)

اس کے علاوہ فاضل دیوبند حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرسین دارالعلوم دیوبند نے تقریظ لکھی۔

(سیرت خاتم الانبیا ﷺ صفحہ 8)

اس کے علاوہ شیخ عرب والعجم ، مجاہد فی سبیل اللہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریظ لکھی۔

(سیرت خاتم الانبیا ﷺ صفحہ 9)

اس کے علاوہ محدث دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے تقریظ لکھی۔

(سیرت خاتم الانبیا ﷺ صفحہ 9)

مذکورہ بالا تقاریظ سے یہ معلوم ہوا کہ یہ سب اکابرین اس بات پر متفق ہیں کہ عبدالمطب کے بعد ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کی پرورش کی۔ اور آپ ﷺ ان کے پاس رہے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ ان کابرین نے آج کل کے زرخرید لوگوں کی طرح شہرت کے لیے تقاریظ نہیں لکھیں کہ پڑھو ایک لفظ بھی نہ کہ اس کتاب میں حق بھی لکھا ہوا ہے کہ نہیں۔ یعنی بغیر دیکھے تقریظ لکھ دی ہو۔ ہر گز نہیں۔ بلکہ یہ حضرات خود لکھ رہے کہ کہ

"ہم نے اس کتاب کو بغور پڑھا ہے اور یہ تاریخی کتاب ہے"۔

(سیرت خاتم الانبیا ﷺ صفحہ 7 تا 10)

عرض کرنے کا مقصد کہ تمام علماء دیوبند اس بات پر متفق ہیں کہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی تربیت اور پرورش آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے کی اور ابو طالب آپ ﷺ سے بے

حد شفقت ومحبت کرتے تھے۔ حتی کہ اپنے بیٹوں (علی، عقیل اور جعفر رضوان اللہ علیہم) سے بھی بڑھ کر آپ ﷺ کا خیال رکھتے تھے۔ اسی الفت اور محبت کی وجہ سے آپ ﷺ نے ابوطالب کی وفات کے وقت ان کو کلمہ پڑھنے کی تلقین کی۔ اور یہ آپ ﷺ کا بہت زیادہ اصرار تھا کہ ابوطالب کلمہ پڑھ لیں مگر ابوطالب کی قسمت نہ جاگی اور کلمہ پڑھنے سے محروم رہے۔

یہ بات تو مسلم ہے کہ عبدالمطب کے بعد ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کی پرورش فرمائی۔ اور جمہور علماء کے نزدیک یہی صحیح ہے جبکہ اس دور میں چند ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو بغیر دلیل کے یہ دعوی کردیتے ہیں کہ ابوطالب نے نہیں مگر زبیر بن عبدالمطلب نے آقا ﷺ کی پرورش کی اور اس کی طرف مولانا نافع رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اشارہ کیا ہے۔ ان کی عبارت آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں۔ اس قسم کا نظریہ رکھنے والے لوگ نہ صرف حقیقت کے خلاف بات کرتے ہیں بلکہ جمہور علماء کی عبارتیں پیش کرکے ان پر کیچڑ بھی اُچھالتے ہیں۔

قارئین ذی وقار: ایک کتاب (اہل بیت رسول ﷺ کون؟) کے نام سے لکھی گئی۔ ٹائٹل تو بہت زبردست دیا ہے اور کتاب کی مجموعی حقیقت یہ ہے کہ ساری کتاب تقریباً من گھڑت اور ضعیف روایتوں سے بھری پڑی ہے۔ کچھ صحیح روایتیں مصنف صاحب نے پیش کرکے ان کے ساتھ حضرت نے یہ بھی لکھ دیا کہ یہ ضعیف ہیں اور جو من گھڑت روایتیں پیش کیں ہیں ان کے ساتھ یہ لکھ دیا ہے کہ یہ صحیح روایتیں ہیں۔ لیکن ایک بات اس کتاب کو پڑھنے سے معلوم ہوتی ہے کہ مصنف صاحب نے من گھڑت تو بہت سی روایتوں کو زبانی کلامی کہہ دیا ہے مگر دلیل دینے سے قاصر رہے ہیں۔ اسی کتاب (اہل بیت رسول ﷺ کون؟) کے صفحہ نمبر 67 پر پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ علامہ شبلی نعمانی اپنے علم، قلم اور اصول سیرت نگاری سے بالکل ہی انصاف نہ کرسکے اور پانچ سطری اقتباس میں جملہ امور ہی غلط لکھ گئے۔ قارئین خود دیکھیں کہ انہوں نے وہ پانچ سطری عبارت کونسی پیش کی۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں: "عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے۔ ان میں سے آنحضرت ﷺ کے والد عبداللہ اور ابو طالب ماں جائے بھائی تھے۔ اس لیے عبدالمطلب نے آنحضرت ﷺ کو ابو طالب ہی کی آغوش میں دیا۔ ابو طالب آنحضرت ﷺ سے اس قدر محبت رکھتے تھے۔ سوتے تو آنحضرت ﷺ کو ساتھ لے کر سوتے اور باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے"۔ سیرت النبی ﷺ جلد اول صفحہ 181)

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 67)

پروفیسر صاحب نے اسی صفحہ یعنی صفحہ 67 پر آگے چل کر یہ کہا کہ

("عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے، ان میں سے آنحضرت ﷺ کے والد عبداللہ اور ابو طالب ماں جائے بھائی تھے اس لیے عبدالمطلب نے آنحضرت ﷺ کو ابو طالب ہی کی آغوش تربیت میں دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔"بالکل غلط ہے، بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے)

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 67)

اس عبارت میں مولانا شبلی نعمانی نے جو دس بیٹے لکھے ہے اس واقعہ پر کہا جب عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ اگر میرے دس بیٹے ہوئے اور خیر سے جوان ہو کر میرے قوتِ بازو بنے تو ان میں سے ایک بیٹے کو اللہ کے نام پر قربان کروں گا۔ خیر مختصر یہ کہ ان کے دس بیٹے ہوئے قرعہ اندازی ہوئی۔ حضرت عبداللہ کا نام نکلا اور پھر خاندان والوں کے کہنے پر دس بار اور قرعہ ڈالا گیا۔ اونٹوں کے نام پر اور آخر کار سو اونٹوں کا قرعہ نکلا اور سو اونٹ صفا اور مروہ کے مابین ذبح کیے گئے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 244۔

اس واقعہ کی بنیاد پر مولانا شبلی نعمانی نے دس بیٹے لکھا مگر انہوں نے یہ تو نہ کہا کہ اسی پر علماء کا اتفاق ہے یہ صرف پروفیسر صاحب کا ہی کمال ہے کہ انہوں نے فوراً بے انصاف کہہ دیا مولانا شبلی نعمانی

کو۔ (ملاحظہ ہو اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 67)

دوسرا اعتراض اس عبارت پر پروفیسر صاحب نے یہ کیا کہ

"علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اقتباس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ صرف ابو طالب اور عبداللہ حقیقی بھائی تھے"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 67)

اس عبارت سے تو یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ عبداللہ اور ابو طالب کے علاوہ اور کوئی بھائی ان کی ماں سے نہ تھا۔ عبارت پیچھے نقل ہو چکی اس کو قارئین خود ملاحظہ فرمائیں اور خود ہی انصاف کریں؟

دوسری بات یہ ہے کہ میں پروفیسر صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اُن کو کس نے یہ حق دیا ہے کہ اس عبارت سے یہ معنی نکالیں؟

تیسری بات یہ ہے کہ اس سوال کا جواب پروفیسر صاحب نے خود ہی اسی کتاب (اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 72) پر دے دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اور پھر انصاف فرمائیں کہ مولانا شبلی نعمانیؒ کا یہ مطلب تھا کہ صرف ابو طالب اور عبداللہ ہی ماں جائے بھائی تھے اور کوئی بھائی نہ تھا۔ یا کچھ اور مطلب تھا؟

(اردو ادب کے مشہور نقاد پروفیسر ڈاکٹر محمد احسان الحق علامہ شبلی نعمانیؒ کی عربی تالیف "بداء الاسلام" کے اردو ترجمے "سیرت طیبہ" (مترجمہ میمونہ سلطانہ شاہ بانو) کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ: "غلط فہمی یا لاعلمی کی بنا پر عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والد جناب عبداللہ کے ایک ہی ماں جائے بھائی تھے یعنی ابو طالب۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جناب عبداللہ کے ماں جائے بھائی دو تھے: ایک جناب زبیر اور دوسرے ابو طالب۔ جناب زبیر حضرت عبدالمطلب کی وفات کے وقت ان کے ساتھ بقید حیات بیٹوں میں سب سے بڑے تھے اور وہی قریش کے دستور کے مطابق اپنے والد کے جانشین اور بنو

ہاشم کے سردار بنائے گئے تھے "۔)

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 72)

مذکورہ بالا عبارت سے بخوبی معلوم ہو رہا ہے کہ پروفیسر صاحب اپنی ہی باتوں میں پھنس گئے۔ اب ان کی باتوں کا حال بھی آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ کتنی درست ہیں اور ان کی حقیقت کیا ہے؟ اور پروفیسر صاحب کی ان عبارتوں سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ جب کسی مصنف کی کوئی بات پروفیسر صاحب کے تعصب والے عینک میں فٹ آجائے تو اُسے حلال سمجھ کر کھا لیتے ہیں اور اگر کوئی بات ان کے تعصب والے عینک میں پھنس جائے تو وہ حرام اور مردار ہو جاتی ہے۔ اور ان چیزوں میں حلال وحرام کی تمیز پیدا کرنے والا کوئی قانون اور قاعدہ پروفیسر صاحب کے پاس نہیں ہے۔

بہرکیف پروفیسر صاحب ایک عبارت سیرت ابن ہشام سے اور ایک پیر کرم شاہ صاحب کی کتاب ضیاء النبی ﷺ سے نقل کر کے آگے لکھتے ہیں کہ

"علمی دنیا میں اس روایت کا جو مقام ہے اس سے اہل علم بے خبر نہیں"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 68)

پروفیسر صاحب کی اس عبارت سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ جو عبارتیں ابو طالب کی کفالت کے متعلق ہیں ان کا تاریخ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ من گھڑت ہیں۔ میں پروفیسر صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کوئی صحیح روایت دکھا دیں جس کے اندر لکھا ہو کہ زبیر نے کفالت کی اور عبد المطلب نے زبیر کو ہی کفالت کرنے کی وصیت کی تھی؟ لیکن قارئین جیسا کہ آپ نے پیچھے تاریخی روایات ملاحظہ فرمائیں جو اس بات پر شاھد ہیں کہ عبد المطلب نے مرنے سے پہلے ابو طالب کو وصیت کی تھی کہ آپ ﷺ کی کفالت کریں۔ اور ابو طالب نے ہی آپ ﷺ کی کفالت کی۔

پروفیسر صاحب ایک اور عبارت نقل کرتے ہیں کہ

"ابوطالب مالی حیثیت سے کمزور اور کثیر العیال تھے لیکن وہ اپنے یتیم بھتیجے سے بہت محبت کرتے تھے اور انہیں اکثر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ ابوطالب کے عیال تنگی ترشی سے بسر کرتے تھے اور انہیں پیٹ بھر کر کھانا نہ ملتا تھا۔ یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ اکثر اوقات صبح صبح چاہ زم زم پر جا کر پانی پی آتے اور جب کھانا رکھا جاتا تو آپ ﷺ دوسرے بچوں کو کھانے دیتے اور خود اس میں یہ کہہ کر شریک نہ ہوتے کہ مجھے خواہش نہیں، میرا پیٹ بھرا ہوا ہے"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 68)

پروفیسر صاحب اس مذکورہ بالا عبارت کا حوالہ درج کرنے سے قاصر رہے۔ پروفیسر صاحب اپنے آپ کو محقق گردانتے ہیں تو بات باحوالہ پیش کیا کریں۔ سنی سنائی باتیں نقل کر دیتے ہیں۔ میں پروفیسر صاحب کو مشورہ دوں گا کہ اگر ان کو اختلافات سے فرصت ملے تو وہ اس حدیث مبارکہ پر ضرور غور کریں۔ **علی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع**۔ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ سنی سنائی بات کو آگے نقل کر دے۔ پروفیسر صاحب کو چاہیے تھا کہ حوالہ ضرور نقل کرتے۔

ایک نشاندہی کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ پروفیسر صاحب نے ابوطالب کی جو اولاد ایمان لائی سب کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" لکھا مگر جمانہ کا نام آیا تو پروفیسر صاحب کے ہاتھوں نے یہ تکلیف نہ کی کہ ان کے ساتھ بھی "رضی اللہ عنہا" لکھ دیں (ملاحظہ ہو اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 69) اور اسی طرح اِسی کتاب کا صفحہ نمبر 112۔ شاید پروفیسر صاحب کہیں کہ پرنٹنگ میں غلطی ہوئی۔ مگر یہ بات اس وقت قابل قبول ہوتی کہ ایک جگہ غلطی ہوئی ہوتی مگر پروفیسر صاحب نے دو جگہ جمانہ کا ذکر کیا اور دونوں جگہ یہ نہ لکھا۔ اور یہ بات بھی واضح رہے کہ پروفیسر صاحب نے خود بھی جمانہ کے متعلق لکھا ہے کہ مسلمان ہو گئی تھی۔

"البتہ ان بہنوں کے متعلق یہ بات ثابت ہے کہ ان دونوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 69)

جمانہ کے ساتھ رضی اللہ عنہا نہ لکھنے کہ وجہ پروفیسر صاحب خود ہی بتائیں گے؟

نوٹ: ہمارا عقیدہ جمانہ کے بارے میں اسلام لانے یا نہ لانے کے بارے میں آگے آرہا ہے۔

ایک اور جگہ پروفیسر صاحب عبارت نقل کرتے ہیں کہ

"بعد کے داستان گو حضرات اس بات کا انکار نہ کر سکے کہ زبیر بھی ابو طالب ہی کی طرح عبداللہ کے حقیقی بھائی ہیں تو انہوں نے یہ افسانہ تراشا کہ نبی اکرم ﷺ کی کفالت کے مسئلے پر زبیر اور ابو طالب کے درمیان تنازع پیدا ہوا، جس پر قرعہ اندازی کی گئی اور قرعہ ابو طالب کے نام نکلا"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 69)

یہاں بھی پروفیسر صاحب نے حوالہ نقل نہ کیا۔ پروفیسر صاحب کو چاہیے کہ جس نے یہ لکھا ہے اس کا نام بتائیں اور کتاب کا نام بھی بتائیں جس کتاب میں لکھا ہوا ہے؟ سمجھ نہیں آتی کہ اس قسم کی بے بنیاد عبارتیں نقل کر کے پروفیسر صاحب کیوں لوگوں کو خواہ مخواہ الجھا رہے ہیں؟ ویسے بھی جیسا کہ پیچھے دلائل میں یہ بات ثابت ہو چکی کہ جناب عبدالمطلب خود وصیت فرما کے گئے تھے کہ ابو طالب کفالت کریں، پھر اس کے بعد قرعہ اندازی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔

پروفیسر صاحب آگے چل کے یہ لکھتے ہیں کہ

"زبیر صاحب حیثیت اور عبدالمطلب کے وصی اور جانشین تھے۔ لہذا اولد کے بعد وہی اس وصیت اور عہد کے دستور کے مطابق بنو ہاشم کے سربراہ مقرر ہوئے"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 69)

اس قسم کی باتیں یہاں پر لکھنے کا مقصد کیا ہے؟ سمجھ نہیں آتا۔ کیونکہ قارئین جانتے ہیں کہ

یہاں جو موضوع چل رہا ہے وہ ہے "زبیر بحثیت کفیل محمد ﷺ" ۔ جبکہ یہاں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا کہ زبیر بنو ہاشم کے سربراہ مقرر ہوئے۔ اس سے یہ بات تو بالکل سمجھ نہیں آتی کہ آنخضرت ﷺ کی کفالت بھی زبیر نے کی۔ اس کی مثال تو ایسے ہے کہ کوئی کہے کہ "جرنل (ر) پرویز مشرف کے بعد پاکستان کا سربراہ آصف علی زرداری ٹھہرا" ۔ یہ کہنے کے بعد کوئی اس سے یہ تو ثابت نہیں کرسکتا کہ چونکہ آصف علی زرداری اب قوم کا سربراہ ٹھہرا ہے اس لیے ایبٹ آباد میں موجود یتیم پروفیسر کا بھی کفیل آصف زرداری ہے؟ ۔ اور یہ بات تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ عبدالمطلب کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ابو طالب ہی آنخضرت ﷺ کے کفیل بنے ۔ اور جمہور علماء کا بھی اس پر اتفاق ہے ۔ اور ابو طالب نے کفالت کا حق ادا کیا اور اپنے بیٹوں سے بڑھ کر آپ ﷺ سے محبت کی، جیسا کہ پیچھے باحوالہ گزر چکا۔

آگے چل کر پروفیسر صاحب نے ایک اور عبارت پیش کی کہ

" قرعہ اندازی کی روایت کے ساقط الاعتبار ثابت ہونے کے بعد "یارلوگوں" نے یہ روایت وضع کی کہ "خود ننھے آٹھ سالہ بچے نے اپنے چچا ابو طالب کی کفالت میں رہنا پسند کیا کیونکہ ابو طالب نبی اکرم ﷺ پر زیادہ مہربان اور مائل بہ لطف و کرم تھے" ۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 70)

یہ عبارت اگر حقیقت پر مبنی ہوتی تو پروفیسر صاحب ضرور بہ ضرور حوالہ درج کرتے اور مصنف کا نام لکھ کر یہ بھی کہتے کہ فلاں ۔۔۔۔۔۔۔ صاحب نے انصاف بالکل نہیں کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

پروفیسر صاحب نے زبیر کی کفالت پر دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ "ان الزبیر بن عبدالمطلب کان یرقص النبی ﷺ وھو صغیر ویقول محمد بن عبدم عشت بعیش انعم فی عزفرع اسنم"

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ، جلد دوئم، صفحہ 308 تحت عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب)

یہ لوری دیگر کتب میں بھی معمولی فرق کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ چنانچہ بلاذری کے علاوہ ابو جعفر محمد بن حبیب الہاشمی متوفی 245ھ نے بھی اپنی تصنیف" کتاب المنمق "میں اس کا ذکر کیا ہے کہ "زبیر بن عبدالمطلب نبی اکرم ﷺ کو بچپن میں ہاتھوں پر جھلاتے وقت کہا کرتے کہ محمد ﷺ میرے بھائی عبداللہ کی نشانی، آپ عزت و آبرو کے انتہائی مقام میں خوب خوش حال و آسودہ زندگی گزاریں"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 71)

مذکورہ بالا عبارتیں پیش کر کے پروفیسر صاحب یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ زبیر نے کفالت کی۔ مگر ان دو روایتوں میں بالکل کفالت کا ذکر ہی نہیں اور نہ ہی لوری دینے سے کفالت کرنا ثابت ہوسکتی ہے۔ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی بچہ جھولے میں پڑا گڑ گڑا رہا ہو اور اس کی ماں کھانا وغیرہ تیار کر رہی ہو (یعنی مصروف ہو) اور اپنے بڑے بیٹے کو کہے کہ "جھولہ جھولو جب تک میں فارغ ہو جاؤں"۔ اب پروفیسر صاحب یہ کہہ دیں کہ جھولا چونکہ بڑا بھائی جھول رہا تھا اس لیے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس بچے کی کفالت اس کے والدین نے نہیں کی بلکہ اس کے بڑے بھائی نے کی ہے۔

اور یہ بات تو ثابت ہو چکی کہ کفالت ابوطالب ہی نے کی۔ اگر زبیر کی کفالت پر پروفیسر صاحب کے پاس کوئی روایت ہوتی (چاہے من گھڑت ہی کیوں نہ ہوتی) تو پروفیسر صاحب اسے ضرور پیش کرتے مگر تقریباً آٹھ، نو صفحوں پر ٹائیٹل "زبیر بحیثیت کفیل محمد ﷺ" لگا کر پروفیسر صاحب کہیں اِدھر اُدھر کی مارتے رہے اور کہیں پر علماء حق پر کیچڑ اچھالتے رہے۔ ایک عاقل، بالغ، عقلمند شخص ان عبارتوں کو پڑھ کر خود سمجھ سکتا ہے کہ کیا زبیر کی کفالت ان مذکورہ بالا دو عبارتوں سے ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

تھوڑا آگے چل کر پروفیسر صاحب نے آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی کفالت سے بھی انکار کر دیا چنانچہ لکھتے ہیں۔

"ام ایمن رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کو لے کر مکہ مکرمہ آئیں اور آپ ﷺ کو دادا کے سپرد کیا۔ دادا چونکہ انتہائی ضعیف اور نابینا تھے اس لیے دادا کی زندگی ہی میں آپ ﷺ تایا زبیر اور تائی عاتکہ (جو آپ ﷺ کی دادی کی حقیقی بھتیجی ہیں) کے پاس رہنے لگے۔ تقریبا دو سال کے بعد جب دادا بھی انتقال کر گئے تو آپ ﷺ مستقل اور باضابطہ طور پر زبیر کی کفالت میں آ گئے"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 73 تا 74)

مذکورہ بالا عبارت سے واضح طور پر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نابینا تھے اور کفالت کرنے کے قابل نہ رہے تھے اور زبیر اور عاتکہ کی کفالت میں آنحضرت ﷺ آ گئے اور پھر مستقل طور پر دادا عبدالمطلب کی وفات کے بعد زبیر کی کفالت میں آئے۔ کوئی حوالہ کسی معتبر کتاب سے پروفیسر صاحب نے نہیں دیا بس صرف لفظا لفظا یہ نعرہ لگاتے رہے ہیں کہ یہ خلاف واقعہ اور خلاف حقیقت ہے۔ پتہ نہیں پروفیسر صاحب کو یہ واقعات کہاں سے ملے؟ اور وہ ان کو کیوں سامنے نہیں لا رہے؟ اگر ان واقعات کا تاریخ کے ساتھ کسی قسم کا کوئی واسطہ ہوتا ہم ان واقعات کے ساتھ حوالہ بھی ضرور پڑھتے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان واقعات کا جو پروفیسر صاحب بتانا چاہ رہے ہیں اور جس طرف عوام کو لے جانا چاہتے ہیں اس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ واقعات بالکل من گھڑت اور خلافِ واقعہ ہیں جیسا کہ پیچھے تفصیل سے گزر چکا۔

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں۔

"یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عبدالمطلب کی وفات کے وقت ان کی نابالغ اور کفالت کی مستحق اولاد میں اس یتیم پوتے کے علاوہ اپنے دو بیٹے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو بالترتیب نبی اکرم ﷺ سے تقریبا تین سال اور چھ ماہ بڑے تھے۔ ان دو یتیم اور چھوٹے بھائیوں کو ابوطالب نے اپنی کفالت میں لینے کی سرے سے کوئی کوشش حتی کہ خواہش تک نہ کی"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 70)

پروفیسر صاحب نے مذکورہ عبارت کے اندر جو اعتراض کیا ہے یہ اعتراض اصل میں پروفیسر صاحب پر ہی بنتا ہے۔ وہ اس طرح کہ باپ کے فوت ہونے کے بعد سب سے بڑا بیٹا باپ کی جگہ ہوا کرتا ہے اور اس کو حق پہنچتا ہے کہ چھوٹے بھائی جو ہوں ان کی پرورش اور نگہداشت کرے۔ اس لیے عبدالمطلب کی وفات کے بعد زبیر ہی کو حق پہنچتا تھا کہ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی پرورش کرے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شاید عبدالمطلب نے آنحضرت ﷺ کی کفالت کرنے کی وصیت اسی وجہ سے ابو طالب کو کی اور زبیر کو نہ کی کہ زبیر کے کندھوں پر اپنے چھوٹے بھائیوں کا بھی بوجھ تھا۔ اور وہ اس بوجھ کے ہونے کی وجہ سے کہیں صحیح طرح سے آنحضرت ﷺ کی کفالت نہ کرسکیں۔ اس لیے عبدالمطلب نے ابو طالب کو آنحضرت ﷺ کی کفالت کرنے کی وصیت کی۔ اور ابو طالب نے پھر مرتے دم تک اس ذمہ داری کو بخوبی نبھایا۔

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ "صرف زبیر کی خوشحالی و ثروت اور رسول کریم ﷺ سے آپ کی بے پایاں محبت اور اس کے مقابلے میں جناب ابو طالب کی مفلسی و ناداری ہی کو مدنظر رکھا جائے تو بھی یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عبدالمطلب نے اپنی وفات سے پہلے جناب زبیر کو جناب محمد ﷺ کی کفالت کا ذمہ دار بنایا ہوگا، جو نہ صرف مال و دولت کے اعتبار سے بلکہ جناب محمد ﷺ سے محبت و شفقت میں بھی سب بھائیوں سے آگے تھے"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 72،73)

اس عبارت کے اندر جو دعوی پروفیسر صاحب نے کیا ہے کہ زبیر مال و دولت کے اعتبار سے قوی تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ زبیر اور ابو طالب مال و دولت کے اعتبار سے قوی نہ تھے جیسا کہ سید

محمد اسمعیل صاحب نے اپنی کتاب رسول عربی ﷺ اور عصر جدید میں لکھا ہے کہ:
"عبدالمطلب کی ذاتی دولت ان کی اولاد میں کس طرح تقسیم ہوئی اس کا پتا نہیں چلتا۔ اس زمانے کا رواج تھا کہ جو اولاد اپنے باپ کی زندگی میں انتقال کر جائے ان سے پوتوں کو دادا کی وراثت میں کچھ نہ ملتا تھا۔ عبداللہ اور حارث کا انتقال عبدالمطلب کی زندگی میں ہی ہو چکا تھا۔ ان کی اولاد کو کچھ ملنے کا سوال ہی نہ تھا۔ عبدالمطلب کی دولت کا ایک قابل ذکر حصہ دولت مند گھرانوں سے آئی ہوئی بیویوں کی وجہ سے بھی تھا۔ وراثت کی تقسیم کے بعد عبدالمطلب کی اولاد کی مالی حالت سے اندازہ لگایا جائے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ ابی لہب اور عباس رضی اللہ عنہ اور کسی قدر حمزہ رضی اللہ عنہ اپنی ماؤں کی دولت کی وجہ سے مرفہ الحال رہے۔ زبیر اور ابو طالب کے حصہ میں سفید پوشی ہی آئی ہوگی"۔

(رسول عربی ﷺ اور عصر جدید صفحہ 43)

مذکورہ بالا عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ عبدالمطلب کی وراثت ابی لہب، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ میں زیادہ تقسیم ہوئی اور ابو طالب اور زبیر کے حصے میں سفید پوشی ہی آئی۔ اس عبارت سے پروفیسر صاحب کے اعتراض کا رد ہو گیا جو انہوں نے کیا تھا کہ زبیر مال و دولت والے اور ابو طالب مفلس و نادار تھے۔ اگر پروفیسر صاحب کے بقول مال و دولت کی وجہ سے کفیل بننا ہوتا تو پھر ابی لہب کو کفیل بنانا چاہیے تھا جو مال و دولت کے اعتبار سے سب بھائیوں میں قوی تر تھا۔ اور جہاں تک تعلق ہے آقا ﷺ کے ساتھ محبت و شفقت کا تو ابو طالب نے محبت و شفقت کا حق ادا کر دیا اور کثیر تعداد میں تاریخ کی کتابوں میں ابو طالب کی محبت و شفقت کے واقعات ملتے ہیں۔

ابو طالب کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ محبت بھرے واقعات

ا: آپ ﷺ کی عمر مبارک بارہ 12 سال ہوئی تو ابو طالب شام کے سفر پر جانے لگے تو آنحضرت ﷺ کے چہرے پر حزن وملال کے آثار دیکھ کر آنحضرت ﷺ کو بھی ساتھ لے لیا اور سفر پر روانہ ہوئے۔

(سیرت مصطفیٰ ﷺ جلد اول صفحہ 88)

مذکورہ بالا واقعہ سے معلوم ہوا کہ ابو طالب کو آنحضرت ﷺ سے محبت تھی جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے چہرے پر حزن وملال دیکھ کر ساتھ لے لیا (یعنی ابو طالب سے یہ برداشت نہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ پریشان ہوں)۔ اور آنحضرت ﷺ کو بھی ابو طالب سے محبت تھی کہ جس کی وجہ سے ان کے چہرے پر چچا کی جدائی پر حزن وملال تھا۔

۲: آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک پچیس برس ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے چچا ابو طالب سے مشورہ کر کے بتاؤں گا۔ آنحضرت ﷺ نے ابو طالب سے پوچھا تو ابو طالب مان گئے اور یوں آنحضرت ﷺ کا پہلا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا جو کہ بہت مالدار اور نیک خاتون تھیں۔ نکاح کا خطبہ بھی ابو طالب نے پڑھا۔

(تذکرہ خاتم الانبیا ﷺ جلد دوئم صفحہ 76)

مذکورہ بالا واقع سے واضع طور پر یہ اشارہ مل رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو سب سے زیادہ محبت اور اعتماد ابو طالب پر تھا کہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نکاح کا پیغام بھیجا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے چچا ابو طالب سے مشورہ کروں گا۔ آج کے دور میں بھی انسان تجربہ کر کے دیکھ لے

کہ جو نیک بخت، فرماں بردار بیٹا ہو وہ اس وقت تک نکاح نہیں کرتا جب تک اپنے بڑوں (یعنی والدین سے) سے مشورہ نہ کر لے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اس وقت تک حامی نہ بھری جب تک آپ ﷺ نے جو اس وقت آپ کے سرپرست اور کفیل تھے (یعنی ابو طالب) ان سے مشورہ نہ کر لیا۔ اور ابو طالب نے جب دیکھ لیا کہ عورت نیک بخت ہے تو فوراً اجازت دے دی اور نکاح کا خطبہ بھی ابو طالب ہی نے پڑھا۔

۳: آنحضرت ﷺ جب پیغمبر بنے (یعنی جب آپ ﷺ کو نبوت عطا کی گئی) تو چھپ کر نماز پڑھتے تھے ایک گھاٹی تھی ادھر آنحضرت ﷺ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو وہیں کھڑے ہو گئے۔ جب آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ابو طالب نے پوچھا کہ بھتیجے یہ کون سا دین ہے؟ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ چچا جان یہ خدائی دین ہے اور یہ دین میرے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی تھا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ چچا جان مجھے خدا نے اپنے تمام بندوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کو دعوت دین دیتے ہوئے فرمایا کہ "چچا جان آپ بھی اللہ کے اس دین کو قبول کر لیں۔ ابو طالب نے آقا ﷺ کے سوال کے جواب میں کہا کہ "بیٹا! میں اپنا آبائی دین تو نہیں چھوڑ سکتا، البتہ یہ میری ضمانت ہے اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا"۔ پھر اپنے بیٹے علی رضی اللہ عنہ سے کہا: "تم نے اچھا کیا یہ دین قبول کر لیا، اب میری تم کو یہ نصیحت ہے کہ اس دین پر سختی سے جمے رہنا، اور محمد ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑنا"۔

(سیرت ابن ہشام)

قارئین خود فیصلہ فرمائیں کہ مذکورہ بالا واقع محبت و شفقت پر مبنی ہے یا دشمنی و عداوت پر؟

۴: مشرکین نے جب دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر دن بدن لوگ کثرت کے ساتھ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں تو ایک وفد بنا کر ابو طالب کے پاس بھیجا۔ اس وفد میں عتبہ، ہشام، شیبہ، اسود بن عبد المطلب، ولید بن مغیرہ، ابو جہل بن ہشام، عاص بن وائل، بنیہ، منبۃ اور اس کے علاوہ ان لوگوں نے اپنے ہم خیال لوگ بھی ساتھ ملا لیے تھے۔ چنانچہ یہ وفد ابو طالب کے پاس پہنچا اور آپ سے کہنے لگا۔ "ابو طالب! بیشک آپ ہمارے بزرگ ہیں، ہم آپ کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں، لیکن تعظیم کی بھی حد ہوتی ہے، تمہارا بھتیجا ہمارے بتوں کو رات دن برا کہے، ان کی عبادت اور مرادیں مانگنے سے منع کرتا رہے، ہمارے باپ داداؤں کو گمراہ بنائے، اور ہم خاموش تماشائی بنے رہیں۔ اس لیے یا تو اپنے بھتیجے کو ہمارے بتوں اور بڑوں کی برائی کرنے سے روکو، ورنہ یہ ہمارے حوالے کر دو، تم کچھ نہ بولنا ہم آپ اس کو سمجھا لیں گے"۔ ابو طالب نے وفد کا ٹھنڈے دل سے مطالبہ سنا اور سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔ اور آنحضرت ﷺ سے بات تک نہ کی۔

(سیرت ابن ہشام)

قارئین کرام ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ اگر بقول پروفیسر صاحب کے ابو طالب کو آنحضرت ﷺ سے دشمنی ہوتی تو کیا ابو طالب آنحضرت ﷺ کو ان مشرکوں کے حوالے نہ کر دیتے اور اجازت نہ دے دیتے کہ لو جو کرنا ہے اس کے ساتھ کر لو۔ مگر ابو طالب نے یہ اجازت کیوں نہیں دی؟ اور ان کے ٹالنے کے لیے کہہ دیا کہ تم جاؤ میں سمجھا دوں گا مگر ان کے جانے کے بعد بات تک کیوں نہ کی؟

۵: جب مشرکین نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اور زیادہ زور وشور کے ساتھ تبلیغ کر رہے ہیں ان پر تھوڑا بھی اثر نہ ہوا تو دوبارہ وفد ابو طالب کے پاس بھیجا۔ اس دفعہ وفد نے آ کر ابو طالب سے کہا کہ۔

"ہمیں آپ کے رتبے اور بزرگی کا خیال ہے،، ہم ایک مرتبہ آپ سے پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں، کہ ہمارے دیوی دیوتاؤں کو برا کہنا چھوڑ دیں اور اگر آپ نہیں روک سکتے تو ہمارے حوالہ کر دیں"۔

اس دفعہ بھی ابو طالب نے مشرکین کے اس وفد کو ٹال دیا اور آقا ﷺ سے بات تک نہ کی۔

(سیرت ابن ہشام)

۶: اس کے بعد جب مشرکین نے دیکھا کہ اب بھی آنحضرت ﷺ اپنے کام سے نہیں رکے تو تیسری دفعہ وفد ابو طالب کے پاس آیا اور برا بھلا کہا اور دھمکی دی کہ اب اگر تیرا بھتیجا اس کام سے نہ رکا تو ہم تم دونوں کو دیکھ لیں گے۔ اب تک ہم اس لیے رکے رہے کہ تم اپنے آبا ؤاجداد کے دین پر ہو اور لات و عزی کی تعظیم کرتے ہو۔

یہ دھمکی دے کر مشرکین چلے گئے۔ اب ابو طالب پھنس گئے کہ ان خاندان والوں کو ناراض بھی نہیں کر سکتے تھے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان کو معلوم تھا کہ اب مشرکین تکلیف پہنچائیں گے۔

ابو طالب آنحضرت ﷺ کو چونکہ دل و جان سے چاہتے تھے اس لیے آپ ﷺ کو تکلیف میں بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اب ابو طالب نے اس کشمکش میں درخواست کے طور پر آنحضرت ﷺ کو مشرکین کی دھمکی سنائی اور ساتھ یہ بھی کہا کہ بھتیجے! اپنی جوانی پر رحم کرو اور میرے بڑھاپے پر ترس کھاؤ۔ اور کچھ نہیں تو ان کے بتوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دو۔ آنحضرت ﷺ نے سمجھا کہ اب چچا کا دل میری طرف سے بھر گیا ہے اور کنارہ کش ہونا چاہتے ہیں۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا کہ "چچا جان اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور مجھ سے دین کی تبلیغ کا کام چھوڑنے کو کہیں تب بھی میں اپنا کام نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالی مجھے کامیابی عطا فرمائیں یا

میں یہ کام کرتے کرتے شہید ہو جاؤں"۔

اس کے بعد چچا کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

"چچا جان اگر آپ میری حفاظت اور سر پرستی سے تنگ آ گئے ہیں تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں اللہ تعالی میرا حامی و ناصر ہے"۔

اس کے بعد وہاں سے اٹھ کر آپ ﷺ جانے لگے تو ابو طالب نے کہا کہ "بیٹا تم دل چھوٹا نہ کرو اور نہ ہی دل میں کسی قسم کا خیال لاؤ، جاؤ جو جی میں آئے کرو۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی ٹیڑھی نگاہ سے بھی نہیں دیکھ سکتا"۔

(سیرۃ ابن ہشام)

اس واقعے سے محبت کی جھلک نظر آتی ہے یا نفرت کی؟ قارئین خود فیصلہ فرمائیں۔

۷: اس کے بعد بھی جب آنحضرت ﷺ نے دین کی تبلیغ جاری رکھی اور مشرکین نے دیکھا کہ مسلمان دن بدن بڑھتے جارہے ہیں تو قریش کے بڑے بڑے سردار 7 نبوی کو سر جوڑ کر بیٹھے اور یہ فیصلہ کیا کہ ابو طالب کے خاندان اور بنی ہاشم کا بائیکاٹ کیا جائے۔ ان سے شادی بیاہ اور کھانے پینے کی تمام اشیاء بند کردی جائیں اور یہ لکھ کر معاھدہ خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔ اس کے لٹکائے جانے کے بعد ابو طالب اپنے خاندان والوں کو لے کر اور جو مسلمان ہوئے تھے ان کو بھی لے کر شعب ابی طالب گھاٹی میں چلے گئے۔ اس گھاٹی کے اندر جانے کے بعد ابو طالب راتوں کو اٹھ اٹھ کر آنحضرت ﷺ کی حفاظت اور دیکھ بھال کرتے کہ کوئی انہیں نقصان نہ پہنچا دے۔

بقول پروفیسر صاحب کے ابو طالب کو آنحضرت ﷺ سے محبت نہ تھی تو میں پروفیسر صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اگر محبت نہیں تھی تو ابو طالب نے تمام سرداران مکہ کو ناراض کیوں کیا؟

ابوطالب دنیا سے کٹ کر اس کو جاگ کر آنحضرت ﷺ کی حفاظت کا خیال کیوں رکھتے؟

۸: ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور دائیں جانب حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی نماز پڑھ رہے تھے۔ وہاں سے ابوطالب کا گزر ہوا۔ ابوطالب کے ساتھ ان کے بیٹے جعفر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم بھی علی رضی اللہ عنہ کی طرح اپنے چچازاد بھائی کے قوت بازو بن جاؤ اور بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز میں شامل ہو جاؤ۔

(اسد الغابہ جلد اول صفحہ 287)

۹: شعب ابی طالب سے نکلنے کے چند روز ہی بعد ماہ رمضان المبارک یا شوال 10 نبوی میں ابوطالب بغیر ایمان لائے دنیا سے رخصت ہو گئے اور پھر تین یا پانچ دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی دنیا کو خیر آباد کہہ دیا۔

آنحضرت ﷺ نے اس سال کو عام الحزن (یعنی غم کا سال) قرار دیا۔

(زرقانی جلد اول صفحہ 291، 292)

اس قسم کے بے شمار واقعات تاریخ و سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں اختصار کے ساتھ طوالت کے ڈر سے چند ایک ذکر کر دیئے ہیں۔

تنبیہ

قارئین ذی وقار: ان واقعات کو بیان کرنے کا مقصد ہر گز یہ نہیں کہ ہم ابو طالب کے ایمان کے قائل ہیں ہرگز ہر گز ایسا نہیں۔ اور ابو طالب نے آنحضرت ﷺ سے محبت اور الفت جو کی ہے وہ اسلام کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ بھتیجا ہونے کی حیثیت سے تھی۔ اور ویسے بھی ہم پیچھے ایک مستقل باب ایمان ابو طالب پر باندھ چکے ہیں کہ وہ اسلام نہیں لائے اور کافر ہی مرے۔ جیسا کہ آبروءِ دیوبند مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"اہلسنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ ابو طالب کفر ہی پر مرے۔ جیسا کہ آیات اور احادیث سے واضح ہو چکا ہے۔ حافظ تورپشتی لکھتے ہیں کہ ابو طالب کا کفر حد تواتر کو پہنچ چکا ہے اور علماءِ سلف اور آئمہ دین کا یہی مسلک ہے۔ روافض کا یہ مسلک ہے کہ ابو طالب ایمان پر مرے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ (نعوذ باللہ) کفر پر مرے۔ جاننا چاہیے کہ ایمان کے لیے محبت اور جانثاری کافی نہیں۔ نبوت اور رسالت کی تصدیق وشہادت کے بغیر مؤمن نہیں ہوسکتا۔ **فافہم ذالک و استقم**"۔

(سیرۃ مصطفیٰ ﷺ جلد اول صفحہ 274)

بہر کیف عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان واقعات کو پیش کرنے کا ہر گز یہ مقصد نہیں کہ ہم ایمان ابو طالب کے قائل ہیں بلکہ پروفیسر صاحب نے جو دعوی کیا تھا کہ ابو طالب کی محبت وشفقت کا کوئی واقعہ نہیں ان کو دکھانے کے لیے یہ واقعات پیش کیے ہیں کہ پہلے کتابوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے پھر کوئی دعوی کیا کریں!۔ اللہ پاک آنکھوں سے پردہ ہٹائے اور عقل عطا فرمائے۔ (آمین)

دوسری بات یہ ہے کہ ابو طالب نے جو اتنی محبت والفت کی وہ محمد الرسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں بلکہ محمد (ﷺ) بن عبد اللہ بن عبد المطلب جان کر کی۔ دوسرے لفظوں میں یعنی ابو طالب نے

آنحضرت ﷺ کے ساتھ محبت والفت پیغمبر خدا ہونے کی وجہ سے نہیں کی بلکہ بھتیجا ہونے کی حیثیت سے کی ہے۔اوراس کی واضح دلیل وہ اشعار ہیں جوابوطالب نے اس وقت کہے تھے جب عبدالمطلب حضرت عبداللہ کو لے کر ذبح کرنے چلے تھےاوروہ اشعار یہ تھے۔

"کلا ورب البیت ذی الانصاب

ما ذبح عبدالله بالتلعاب

یا شیب ان الریح ذو عقاب

ان لنا جره فی الخطاب

احوال صدق کا سودا الغاب"

(سیرۃ مولوی کرامت علی دہلوی)

یہ مزاحمت کے اشعار ابوطالب نے اس لیے پڑھے تھے کہ ان کو اپنے بھائی عبداللہ سے محبت تھی اوروہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ ان کو ذبح کر دیا جائے۔اس لیے انہوں نے یہ اشعار پڑھے اور پھر جب ان کا بھائی فوت ہوگیا تو انہوں نے اپنے بھائی کی جونشانی تھی۔یعنی (محمد ﷺ بن عبداللہ) ان پر محبت اور جانثاری کی انتہا کر دی۔اس لیے علامہ سہیلی رحمة الله علیه فرماتے ہیں کہ "ابوطالب سر سے پیر تک رسول اللہ ﷺ کی نصرت وحمایت میں غرق تھا۔صرف قدم بجائے اسلام کے ملۃ عبدالمطلب پر تھے۔اس لیے عذاب قدموں پر مسلط کیا گیا۔ ربنا افرغ علینا صبرا و ثبت اقدامنا و انصرنا علی القوم الکافرین"۔

(روض الانف)

آقا ﷺ کا اپنے چچا کے ساتھ سفر شام

آپ ﷺ کا سن مبارک بارہ سال کو پہنچ چکا تھا کہ ابو طالب نے قریش کے قافلہ تجارت کے ساتھ شام کا ارادہ سفر کیا۔ مصائب سفر کے خیال سے ابو طالب کا ارادہ آپ ﷺ کو ہمراہ لے جانے کا نہ تھا، عین روانگی کے وقت آپ ﷺ کے چہرے پر حزن وملال کے آثار دیکھے اس لیے آپ ﷺ کو اپنے ہمراہ کر لیا۔

(سیرۃ ابن ہشام جلد اول صفحہ 61)

(عیون الاثر جلد اول صفحہ 41)

اور روانہ ہوئے جب شہر بصری کے قریب پہنچے تو وہاں ایک نصرانی راہب تھا جس کا نام جرجیس تھا اور بحیرا راہب کے نام سے مشہور تھا اور نبی آخر زماں ﷺ کی جو علامتیں آسمانی کتابوں میں مذکور تھیں ان سے بخوبی واقف تھا چنانچہ مکہ کا یہ قافلہ جب بحیرا راہب کے صومعہ کے پاس جا کر اترا تو اس نے حضور پر نور ﷺ کی صورت دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی کتب سابقہ میں خبر دی گئی ہے اور آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

(زرقانی جلد اول صفحہ 194)

جامع ترمذی میں ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار ابو طالب مشائخ قریش کے ساتھ شام کی طرف گئے۔ شام میں جس جگہ اترے وہاں ایک راہب تھا۔ اس سے پہلے بھی بار ہا اس راہب پر گزر ہوتا ہے مگر وہ کبھی ملتفت نہ ہوتا تھا۔ اس مرتبہ قریش کا کاروان تجارت جب وہاں جا کر اترا تو راہب خلاف معمول اپنی صومعہ سے نکل کر ان میں آیا اور متجسانہ نظروں سے ایک ایک کو دیکھنے لگا۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ "ھذا سید المرسلین ھذا رسول رب

العالمين يبعثه الله رحمة للعلمين"۔

ترجمہ: یہی ہے سردار دوجہاں کا یہی ہے رسول پروردگار عالم کا جس کو اللہ تعالی جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گا"۔

(سیرت النبی ﷺ جلد دوئم صفحہ 32)

سرداران قریش نے اس راہب سے کہا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا۔ راہب نے کہا جس وقت آپ سب گھاٹی سے نکلے تو کوئی شجر اور حجر ایسا باقی نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہو اور شجر اور حجر نبی ہی کے لیے سجدہ کر سکتے ہیں اور علاوہ ازیں میں آپ ﷺ کو مہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں جو سیب کے مشابہ آپ ﷺ کے شانہ کے نیچے واقع ہے۔ راہب یہ کہہ کر واپس ہو گیا اور فقط ایک آپ ﷺ کی وجہ سے تمام قافلہ کے لیے کھانا تیار کرایا۔ کھانے کے لیے سب حاضر ہوئے تو آپ ﷺ موجود نہ تھے۔ راہب نے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کہاں ہیں۔ معلوم ہوا کہ اونٹ چرانے گئے ہوئے ہیں۔ آدمی بھیج کر بلایا۔ جس وقت آپ ﷺ تشریف لائے تو ایک ابر (بادل) آپ ﷺ پر سایہ کیے ہوئے تھا۔ جب آپ ﷺ قوم کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ لوگ آپ ﷺ سے پہلے درخت کے سایہ میں جگہ لے چکے ہیں اب کوئی جگہ سایہ کی باقی نہ رہی۔ آپ ﷺ ایک جانب ہو کر بیٹھ گئے۔ بیٹھتے ہی درخت کا سایہ آپ ﷺ کی طرف جھک گیا۔ راہب نے کہا کہ درخت کے سایہ کو دیکھو کہ کس طرح آپ ﷺ کی طرف مائل ہے اور کھڑے ہو کر لوگوں کو قسمیں دینے لگا اور یہ کہا کہ آپ لوگ ان کو روم کی طرف نہ لے جائیں۔ رومی اگر ان کو دیکھ لیں گے تو آپ ﷺ کی صفات اور علامات سے آپ ﷺ کو پہچان کر قتل کر ڈالیں گے۔ اثناء کلام میں اچانک اور یکا یک جو راہب کی نظر پڑی تو دیکھا کہ روم کے سات آدمی کسی تلاش میں آرہے ہیں۔ راہب نے پوچھا تم کس لیے نکلے ہو۔ رومیوں نے کہا کہ ہم اس نبی کی تلاش میں نکلے ہیں۔ جس

کی توریت اور انجیل میں بشارت مذکور ہے کہ وہ اس مہینہ میں سفر کے لیے نکلنے والا ہے۔ ہر طرف ہم نے اپنے بندے بھیجے ہیں۔ راہب نے کہا اچھا یہ تو بتاؤ کہ جس شے کا خداوند ذوالجلال نے ارادہ فرمالیا ہو کیا اس کو کوئی روک سکتا ہے؟ رومیوں نے کہا نہیں۔ اس کے بعد رومیوں نے بحیرا راہب سے عہد کیا کہ ہم اب اس نبی کے درپے نہ ہوں گے اور یہ سات آدمی وہیں بحیرا راہب کے پاس رہ پڑے۔ کیونکہ جس مقصد کے لیے نکلے تھے وہ خیال ہی بدل گیا۔ اس لیے اب واپسی کو خلاف مصلحت سمجھ کر بحیرا راہب کے پاس ٹھہر گئے۔ راہب نے پھر قریش کے قافلہ کو قسم دے کر یہ دریافت کیا کہ تم میں سے اس کا ولی کون ہے؟ لوگوں نے ابو طالب کی طرف اشارہ کیا۔ راہب نے ابو طالب سے کہا کہ آپ ضرور انہیں واپس بھیج دیں۔ ابو طالب نے آپ کو ابوبکر اور بلال (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ راہب نے ناشتہ کے لیے روٹی اور زیتون کا تیل ساتھ کر دیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ روایت بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے۔ بیہقی کی ایک روایت میں ہیکہ بحیرا نے اٹھ کر آپ ﷺ کی پشت مبارک کو دیکھا تو دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی اور مہر نبوت کو اس صفت پر پایا جو اس کے علم میں تھی۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ قصہ اہل مغازی کے نزدیک مشہور ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ قصہ کے متعدد شواہد میں جو اس کی صحت کا حکم کرتے ہیں اور میں عنقریب ان شواہد کو بیان کروں گا۔

(الخصائص الکبری جلد اول صفحہ 84)

حافظ عسقلانی اصابہ میں فرماتے ہیں کہ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں اور صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ عبدالرحمٰن بن غزوان رواۃ بخاری سے ہے۔ آئمہ حدیث اور حفاظ کی ایک جماعت نے عبدالرحمٰن کو ثقہ بتایا ہے۔ حافظ سخاوی فرماتے ہیں میں نے کہیں نہیں دیکھا کہ کسی نے عبدالرحمٰن پر جرح کی ہو۔ اس روایت میں صرف ابوبکر اور بلال (رضی اللہ عنہما) کو ساتھ بھیجنے کا ذکر بعض رواۃ کی غلطی سے درج ہو گیا

ہے لہذا یہ کہا جائے گا کہ صرف ابوبکر اور بلال (رضی اللہ عنہما) کو ساتھ بھیجنے کا ذکر اس روایت میں مدرج ہے۔ اور ایک کلمہ کے مدرج ہو جانے کی وجہ سے تمام حدیث کو ضعیف نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(عیون الاثر جلد اول صفحہ 43)

اور یہ حدیث مسند بزار میں بھی مذکور ہے مگر اس میں بلال کا ذکر نہیں بلکہ بجائے "وارسل معه بلالًا" کے "رجلًا" کا لفظ مذکور ہے۔

(زاد المعاد جلد اول صفحہ 17)

امام جزری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں فقط ابوبکر اور بلال (رضی اللہ عنہما) کا ذکر اس روایت میں راوی کا وہم ہے۔

(مرقاۃ جلد 5 صفحہ 472)

حافظ عسقلانی فتح الباری کتاب التفسیر میں فرماتے ہیں کہ ترمذی کی حدیث کی سند قوی ہے۔ بظاہر منشاء وہم ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیس سال کی عمر میں شام کا ایک سفر کیا۔ اس سفر میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی عمر اس وقت اٹھارہ سال تھی اس سفر میں بھی بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی۔ اس روایت کو حافظ ابن مندہ اصبہانی نے ذکر کیا ہے۔ سند اس کی ضعیف ہے۔ حافظ عسقلانی اصابہ میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو آپ ﷺ کا یہ سفر شام کے اس سفر کے علاوہ ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا۔ راوی کو اس روایت سے اشباہ ہوا اور دونوں قصوں کے متقارب ہونے کی وجہ سے قصہ میں غلطی سے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کا ذکر کیا گیا۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

(الاصابہ جلد اول صفحہ 177)

مذکورہ بالا واقع سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک بارہ 12 سال ہوئی تو آپ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ اور اس روایت کے راوی بھی تمام ثقہ ہیں جیسا کہ اوپر تفصیل سے گزرا۔ اب کچھ سیرت پر لکھی گئی تاریخی کتابوں کے حوالے پیش خدمت کرتا ہوں۔

ا: یہی واقعہ کہ ابو طالب کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے سفر شام کیا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نبی رحمت ﷺ میں نقل کیا ہے۔

(نبی رحمت ﷺ صفحہ 132، 133)

۲: یہی واقعہ کہ آقا ﷺ نے بارہ سال کی عمر میں ابو طالب کے ساتھ سفر شام کیا اور بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی۔ حافظ شریف احمد صاحب نے اپنی تصنیف تذکرہ خاتم الانبیا ﷺ میں نقل کیا۔

(تذکرہ خاتم الانبیا ﷺ حصہ دوئم صفحہ 69 تا 71)

۳: یہی واقعہ کہ ابو طالب کے ساتھ آقا ﷺ نے سفر شام کیا۔ محمد شفیع صاحب اور محمد سعید صاحب نے اپنی کتاب قصص الانبیاء میں نقل کیا ہے۔

(قصص الانبیاء صفحہ 474 تا 476)

۴: یہی واقعہ کہ بارہ سال کی عمر میں آنحضرت ﷺ نے ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر کیا اور بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی۔ محدث کبیر مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف سیرت الرسول ﷺ (اردو) میں نقل کیا۔

(سیرت الرسول ﷺ (اردو) صفحہ 16، 17)

۵: یہی واقعہ کہ بارہ 12 سال کی عمر میں ابو طالب کے ساتھ سفر شام کیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف سیرۃ النبی ﷺ میں نقل کیا ہے۔

(سیرۃ النبی ﷺ جلد اول صفحہ 178 تا 181)

۶: یہی واقعہ کہ بارہ 12 سال کی عمر میں ابو طالب کے ساتھ سفر شام کیا۔ مغلطائی میں موجود ہے۔

(مغلطائی صفحہ 10)

۷: یہی واقعہ کہ بارہ 12 سال کی عمر میں ابو طالب کے ساتھ سفر شام کیا۔ مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف سیرت خاتم الانبیا ﷺ میں نقل کیا ہے اور واضح رہے کہ اس کتاب پر جید علماء کرام کی تقاریظ بھی موجود ہیں جو اس بات کی طرف نشاندہی کرتی ہیں کہ ان سب بزرگ علماء اکرام کے نزدیک بھی یہی واقعہ درست ہے۔ چنانچہ آبروءِ دیوبند مفتی اول دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا انور شاہ کشمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حسین احمد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقاریظ موجود ہیں۔ اور ان تمام علماء اکرام کا اس پر اتفاق ہے۔

(سیرت خاتم الانبیا ﷺ صفحہ 24)

مندرجہ بالا عبارتوں سے یہ ثابت ہوا کہ بارہ 12 سال کی عمر میں آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ اور اس پر پیچھے ایک روایت بھی نقل ہو چکی اور اتنی واضح روایتوں کے باوجود اگر کوئی یہ کہے کہ یہ واقع من گھڑت ہے تو اس سے بڑھ کر اس کی کم عقلی اور کیا ہو گی؟

پروفیسر طاہر علی الہاشمی صاحب اپنی کتاب "اہل بیت رسول ﷺ کون؟" میں لکھتے ہیں۔

"جن روایات میں ابوطالب کے ساتھ شام کے سفر اور اس دوران میں بحیرا راہب سے ملاقات کا ذکر ہے وہ حد درجہ مضحکہ خیز اور من گھڑت ہیں"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 74)

مندرجہ بالا عبارت میں موصوف پروفیسر صاحب نے بڑی جرأت کے ساتھ یہ دعوی تو کر دیا کہ "یہ واقعہ حد درجہ مضحکہ خیز اور من گھڑت ہے"۔ مگر اس دعوی پر اپنی عادت کے مطابق دلیل دینے سے قاصر رہے اور پوری کتاب میں انہوں نے اتنی تکلیف کر دینا گوارہ نہ سمجھا کہ اس دعوے پر کوئی دلیل (چاہے من گھڑت روایت ہی کیوں نہ ہو) پیش کر دیتے۔

اس صورت حال میں بھی کچھ لوگ آنکھیں بند کر کے لکھ رہے ہیں کہ۔

"ان کی جرح شاندار، ان کے دلائل زوردار، ان کی محنت قابل دید اور ان کا اسلوب قابل داد ہے"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 446)

"زیر تبصرہ کتاب کے لائق ترین مصنف عظیم باپ کے بہادر اور صاف گو فرزند ہیں۔۔۔۔ان کی جرأت و بے باکی، حق گوئی اور صداقت پرستی اور قلم کی شرافت کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ صاحب فکر و نظر والد نے اپنے بیٹے کی صحیح خطوط پر تربیت کی ہے"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 11)

"یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ موصوف نے پیش نظر کتاب میں اہل سنت والجماعت کی وکالت و ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 15)

قارئین ذی وقار! اہل سنت کے اکابرین کا نقطہ نظر ہم نے پیچھے تفصیل سے نقل کیا (مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تک) اور اس کے برعکس پروفیسر

صاحب کی بھی رائے اور نقطہ نظر پیش ہوا۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ پروفیسر صاحب نے اہل سنت والجماعت کی ترجمانی اور وکالت کا حق ادا کیا ہے یا نہیں؟ ایسے وکیل کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔

"حضرت مولانا پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی مدظلہ ایسی ہی ہستیوں میں سے ہیں جو انجام کی پرواہ کیے بغیر خطرناک سے خطرناک میدان میں کودنے کا نہ صرف حوصلہ بلکہ تجربہ بھی رکھتے ہیں"۔

تھوڑا آگے چل کے لکھتے ہیں کہ

"میں پروفیسر قاضی محمد طاہر صاحب الہاشمی مدظلہ کو اس جرأت مندانہ اور محققانہ و فاضلانہ کاوش پر صدق دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 25)

قارئین کرام جیسا کہ پیچھے واضح ہو چکا کہ پروفیسر صاحب کی تحریرات کتنی محققانہ ہیں یعنی کتنی حقائق پر مبنی ہیں؟ (یہ صرف ایک تحریر کا حال ہے باقیوں کا کیا حال ہوگا خود اندازہ لگائیں؟)

بہرکیف یہ چند لوگوں کے پروفیسر صاحب کے بارے میں نظریات تھے اور شاید کہ کچھ کچھ درست ہوں مگر اس سے قطع نظر جو پروفیسر صاحب نے دعوے زبانی کلامی کیے ہیں۔ انہیں چاہیے تھا کہ ان پر دلائل بھی دیتے لیکن انہوں نے نئے نئے تصورات اور خیالات پیش کر کے لوگوں کے ذہنوں کو خواہ مخواہ الجھانے کی جسارت کی ہے۔

﴿جناب ابوطالب کی اولاد﴾

ابوطالب کے چار بیٹے ہیں۔

۱۔طالب
۲۔عقیل رضی اللہ عنہ
۳۔جعفر طیار رضی اللہ عنہ
۴۔علی المرتضی رضی اللہ عنہ

اور دو بیٹیاں ہیں۔

۱۔ام ہانی رضی اللہ عنہا
۲۔جمانہ

۱۔ طالب بن ابی طالب:

ابوطالب کے بیٹوں میں سب سے بڑے بیٹے طالب تھے۔یہ غزوہ بدر میں کفار کی طرف سے شامل ہوا تھا۔اس کی موت کفر پر ہوئی تھی۔

(تاریخ خمیس جلد اول صفحہ 163 تحت ذکر ابی طالب واولادہ)

(زخائر العقبی لمحب الطبری صفحہ 207 تحت الباب اول فی ذکر اولاد ابی طالب)

۲۔ عقیل رضی اللہ عنہ بن ابی طالب:

عقیل رضی اللہ عنہ باقی بھائیوں میں بڑے تھے۔ان کی کنیت ابو یزید ہے۔عقیل رضی اللہ عنہ جعفر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ ان تینوں کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف ہیں۔عقیل رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کی طرف سے شامل ہوئے تھے۔پھر بدر کے قیدیوں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرح یہ بھی قید ہوئے تھے۔بعد میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا فدیہ ادا کیا اور خلاصی کرائی تھی۔

(طبقات ابن سعد جلد 4 صفحہ 29 تحت عقیل بن ابی طالب)

بعض علماء کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے اور یہ بھی تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ فتح مکہ سے قبل آپ رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے اور غزوہ موتہ میں شریک ہوئے تھے۔

(طبقات ابن سعد جلد 4 صفحہ 29، 30 تحت عقیل بن ابی طالب)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بعض دفعہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور کئی ایام ان کے ہاں قیام کیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بڑی قدردانی اور عزت افزائی فرمائی۔

(تاریخ خمیس جلد اول صفحہ 163 تحت ذکر اولاد ابی طالب)

(الاصابہ ابن حجر جلد 2 صفحہ 487 تحت عقیل بن ابی طالب)

حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کے متعلق اہل سیر نے لکھا ہے کہ آخری عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی تھی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کا انتقال ہوا اور بعض کے نزدیک ان کا انتقال واقعہ حرہ سے قبل دور یزید میں ہوا ہے۔

(الاصابہ ابن حجر جلد 2 صفحہ 487 تحت عقیل بن ابی طالب)

(طبقات ابن سعد جلد 4 صفحہ 30 تحت عقیل بن ابی طالب)

(تاریخ خمیس جلد اول صفحہ 163 تحت ذکر ابی طالب واولادہ)

۳۔ جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب:

جعفر رضی اللہ عنہ کا نام جعفر رضی اللہ عنہ بن ابو طالب اور کنیت ابو عبداللہ

ہے۔ ان کے مشہور القاب "الطیار" اور "ذو الجناحین" ہیں اور تیسر القب "ابو المساکین" بھی ہے۔ ان کی خصوصی صفت اہل سیر یہ لکھتے ہیں کہ لوگوں میں سے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حسن خلق اور خلق کے اعتبار سے زیادہ مشابہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے اور پچیس یا تیس آدمیوں کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کو دونوں ہجرتوں سے نوازا تھا۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت غزوہ موتہ میں ہوئی۔ غزوہ موتہ جمادی الاولیٰ 8ھ میں پیش آیا تھا۔ اس غزوہ میں امیر جیش حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ تھے۔ آقا ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر زید رضی اللہ عنہ شہید ہو جائیں تو امیر جیش جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہوں گے۔ اگر جعفر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ امیر جیش ہوں گے۔ اس غزوہ میں تینوں اصحاب رضی اللہ عنہم کو شہادت نصیب ہوئی۔ اور اس کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے مسلمانوں کی کمان سنبھالی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی عمر شہادت کے وقت ایک قول کے مطابق 41 برس تھی۔

(بخاری شریف باب غزوہ موتہ)

(بخاری شریف باب مناقب جعفر رضی اللہ عنہ)

(مسلم شریف باب فضائل جعفر رضی اللہ عنہ)

(اسد الغابہ تحت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب)

(الاصابہ ابن حجر صفحہ 239 جلد اول تحت جعفر بن ابی طالب)

اسد الغابہ تحت اسماء بنت عمیس)

(مجمع الزوائد للہیثمی جلد 9 صفحہ 237)

تاریخ الخمیس جلد اول صفحہ 163)

۴: علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب:

بعض اقوال کے مطابق حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی ولادت مکہ شریف میں عام الفیل کے سات سال بعد ہوئی۔ اور بعض سیرت نگار لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت سے تیس سال بعد حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ متولد ہوئے۔ اور یہ بھی علماء فرماتے ہیں کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی ولادت بعثت نبوی ﷺ سے دس برس قبل ہوئی تھی۔

(الاصابہ ابن حجر جلد 2 صفحہ 501)

جب نبی اکرم ﷺ چالیس سال کے ہوئے تو اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے دعوت اسلام اپنے گھر والوں کو دی۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے اسلام قبول فرمایا۔ اس طرح اسلام میں داخل ہونے والی آپ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے حلقہ احباب میں سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ اسی طرح نوخیزہ جوانوں میں سے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ اور غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں۔

"وقد احباب ابو حنیفة رحمۃ اللہ علیہ **بالجمع بین ھذہ الاقوال بان اول من اسلم من الرجال الاحرار ابو بکر** رضی اللہ عنہ **و من انساء خدیجة** رضی اللہ عنہا **و من الموالی زید بن حارثہ** رضی اللہ عنہ **و من الغلمان علی بن ابی طالب** رضی اللہ عنھم اجمعین"۔

(البدایہ والنہایہ جلد 3 صفحہ 29)

"یعنی ان اقوال میں تطبیق کے لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں یہ فرمایا کہ: آزاد مردوں میں

سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایمان لائے ،اور خواتین میں سب سے قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں، اور غلاموں میں سب سے پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اور نوخیز جوانوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب اسلام لانے میں مقدم ہوئے"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیویوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا، حضرت امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہا، حضرت لیلی رضی اللہ عنہا بنت مسعود بن خالد یہ خاتون بن تمیم ،حضرت ام البنین رضی اللہ عنہا، حضرت ام حبیبہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سعید رضی اللہ عنہا بنت عروۃ بن مسعود، حضرت خولہ بنت جعفر بن قیس رضی اللہ عنہا ہیں۔ اس کے علاوہ کئی کنیزیں بھی آپ رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں۔ ان کو ام ولد کہا جاتا ہے۔ ان سے بھی اولاد ہوئی۔

(البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 331،332)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاجزادے مؤرخین نے چودہ 14 ذکر کیے ہیں۔ اور بعض نے اس سے زائد بھی ذکر کیے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹوں میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت محسن، حضرت عباس، حضرت جعفر، حضرت عبداللہ، حضرت عثمان، حضرت عبیداللہ، حضرت ابوبکر، حضرت یحی، حضرت محمد الاصغر، حضرت عون، حضرت عمر، حضرت محمد الاوسط، حضرت محمد الاکبر۔

(ابن الحنفیۃ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاجزادیوں میں حضرت زینب الکبری رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ، حضرت ام جعفر (جمانہ)، حضرت ام سلمہ وغیرہ مؤرخین نے کم وبیش سولہ 16 عدد ذکر کی ہیں۔

(نسب قریش للمصعب الزبیری صفحہ 41 تا 46)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد مذکورہ بالا فرزندوں میں سے پانچ فرزندوں سے چلی۔ اور

جن فرزندوں سے نسل چلی ذیل میں ان کے نام عبارت میں مذکور ہیں۔

"وانما كان النسل من خمسة وهم **الحسن** رضی اللہ عنہ و **الحسين** رضی اللہ عنہ و **محمد** (ابن الحنفية) والعباس بن الكلابيه و **عمر** تغلبية رضی اللہ عنہم اجمعین"۔

(البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 332)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کئی عناصر آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے۔ ان میں سے خاص طور پر خارجی لوگ تو امیر المؤمنین کی امارت و خلافت کو کسی صورت میں برداشت کرنے پر تیار نہ تھے۔ شعبان 38ھ میں جنگ نہران جب خارجیوں سے ہوئی اور ان کے بے شمار لوگ اس جنگ میں مارے گئے تو ان لوگوں کے سینوں میں عناد کی آگ ہمیشہ بھڑکتی رہی۔ اور جذبہ انتقام میں یہ لوگ اپنے اپنے موقعہ کے انتظار میں رہے پھر آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ان لوگوں کی عداوت کے نتیجے میں پیش آیا۔ قبل از شہادت کے حالات میں مؤرخین نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ قبیلہ مراد سے ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ مسجد میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ از روئے خیر خواہی آ کر عرض کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنی حفاظت کا انتظام فرمائیں۔ قبیلہ مراد کے بعض لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کوئی حارس اور نگران مقرر فرما لیں تو بہتر ہوگا۔ حفاظتی تدبیر کی صورت میں یہ چیز ضروری ہے۔ تو اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسئلہ تقدیر کا بیان کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا: کہ ہر شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو فرشتے حفاظت کے لیے لگے ہوئے ہیں۔ جب تقدیر غالب آ جاتی ہے تو اس شخص سے الگ ہو جاتے ہیں اور اجل ایک مضبوط ڈھال ہے۔

"......... عن ابی مجلز قال جاء رجل من مراد الی علی رضی الله عنه وهو يصلی فی المسجد فقال احترس فان ناسا من مراد يريدون قتلك فقال ان مع كل رجل

ملکین یحفظانه ممالم یقدر فاذا جاء القدر خلیا بینه و بینه و ان الاجل جنة حصینة"۔

(طبقات ابن سعد جلد 3 صفحہ 22)

آقا ﷺ کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہادت کی پیشن گوئی کئی روایات میں پائی جاتی ہیں۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مدینہ سے خارج ہونے کے وقت ایک بات ذکر کی تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ کہاں تشریف لے جارہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا عراق کا ارادہ ہے تو انہوں نے اس وقت کہا تھا کہ شاید وہاں آپ رضی اللہ عنہ پر تلوار سے وار کیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ مجھے نبی اکرم ﷺ کے زریعے یہ بات معلوم ہے کہ مجھ پر قاتلانہ حملہ ہوگا۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔الخ

(مسند الحمیدی جلد اول صفحہ 20)

(الاصابہ مع الاستیعاب جلد 4 صفحہ 155)

عبدالرحمٰن بن ملجم کوفہ میں پہنچا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عادت مبارک تھی کہ فجر کی نماز کے لیے سویرے اٹھتے تھے اور نماز کی طرف جاتے ہوئے لوگوں کو الصلوۃ الصلوۃ کے ساتھ ندا کرتے چلے جاتے۔ ابن ملجم اپنی مخصوص تلوار کے ساتھ اندھیرے میں چھپا ہوا تھا۔ اس نے آپ رضی اللہ عنہ کے سر مبارک میں زور سے تلوار لگائی جو سر میں گہری چلی گئی۔ خون سے آپ رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک تر بتر ہوگئی اور لوگوں نے ابن ملجم کو پکڑ لیا۔ نماز تیار تھی۔ نماز کے لیے جعدہ بن ہیرہ کو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز پڑھائیں۔ پس اس نے فجر کی نماز لوگوں کو پڑھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر کی طرف اٹھا کر لایا گیا اور عبدالرحمٰن بن ملجم کو بھی پکڑ کر آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں بچ نہ سکوں اور فوت ہو جاؤں تو اس کو قتل کر دینا اور اگر میں زندہ رہا تو میں جو مناسب سمجھوں گا اس کے ساتھ کروں گا۔

(البدایہ والنہایہ ابن کثیر جلد 7 صفحہ 326، 327)

(مجمع الزوائد للہیثمی جلد 9 صفحہ 139، 140)

(طبقات ابن سعد جلد 3 صفحہ 23)

بعض حضرات نے آپ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنا خلیفہ مقرر فرمایئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔

".........قالوا فاستخلف علینا قال لا ولکن اترککم الی ما ترککم الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔

(مسند امام احمدؒ جلد اول صفحہ 130)

"یعنی میں اپنا خلیفہ مقرر نہیں کرتا لیکن میں تمہیں اس حالت پر چھوڑتا ہوں جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو چھوڑا تھا"۔

امیر المؤمنین خلیفہ چہارم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ابن ملجم نے جامع مسجد کوفہ میں سترہ 17 رمضان المبارک 40ھ کو صبح کے وقت حملہ کرکے آپ رضی اللہ عنہ کو شدید زخمی کر دیا تھا۔ تین روز بعد تریسٹھ 63 سال کی عمر میں آپ رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ابن ملجم کو سنگین طریقہ سے قتل کر دیا گیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 327، 328)

آپ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ آپ رضی اللہ عنہ کے بڑے صاجزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور چار تکبیروں کے ساتھ یہ نماز ادا کی گئی۔

(المستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 143)

(طبقات ابن سعد جلد 3 صفحہ 25)

آپ رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں مسجد الجماعۃ کے قریب الرحبہ کے مقام پر قبل از نماز فجر رات کو ہی دفن کیا گیا۔

"........... ان الحسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب فکبر علیہ اربع تکبیرات و دفن علی بالکوفۃ عند مسجد الجماعۃ فی المرحبۃ ممایلی ابواب کندۃ قبل ان ینصرف الناس من صلوۃ الفجر"۔

(طبقات ابن سعد جلد 3 صفحہ 25)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقام دفن کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل عبارت تحریر کی۔

"..........ودفن بدار الامارۃ بالکوفۃ خوفا علیہ من الخوارج ان ینبشوا عن حبثۃ، ھذا ھوالمشھور من قال انہ حمل علی راحلتہ فذھبت بہ فلا یدری ابن ذھب فقداخطأ وتکلف مالاعلم لہ بہ و لا لیسیغہ عقل و لا شرع، وما یعتقدہ کثیر من جھلۃ الروافض من ان قبرہ بمشھد النجف فلا دلیل علی ذالک و لا اصل لہ"۔

(البدایہ والنہایہ جلد 7 صفحہ 329)

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں دار الامارۃ میں دفن کیا گیا۔ اس وجہ سے کہ خارجیوں کی طرف سے یہ خطرہ لاحق تھا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک کی توہین اور بے حرمتی نہ کر ڈالیں۔ یہ قول مشہور ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک کو ایک سواری پر باندھ کر چھوڑ دیا گیا اور پھر معلوم نہ ہوا کہ کس طرف سواری گئی؟ تو یہ ان کا قول بالکل غلط ہے اور انہوں نے ایک نا معلوم چیز

کے متعلق خواہ مخواہ تکلف کیا ہے اور نہ یہ عقلا درست ہے اور نہ ہی شرعاً صحیح ہے۔

روافض یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کی قبر مشہد (نجف اشرف) میں ہے۔اس بات پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ چیز بے اصل ہے اور شہرت یافتہ ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت عمر تریسٹھ 63 سال تھی اور آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت چار 4 سال اور نو 9 ماہ ہے۔

"........وکانت خلاصة علی اربع سنین وتسعة اشھر........ عن ابی اسحاق قال توفی علی رضی اللہ عنہ وھو یومئذ ابن ثلاث و سنین سنة"۔

(طبقات ابن سعد جلد 3 صفحہ 25)

(البدایہ والنہایہ جلد سابع صفحہ 329،330)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کفن دفن کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے دارالامارۃ کوفہ میں لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی تو تمام لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی دعوت قبول کرتے ہوئے بیعت خلافت کر لی۔

"........... ثم انصرف الحسن بن علی من دفنه فدعاالناس الی بیعته فبا یعوہ"۔

(طبقات ابن سعد جلد 3 صفحہ 25)

ا۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا بنت ابی طالب:

آپ رضی اللہ عنہا ابوطالب کی بیٹی ہیں۔آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ بھی فاطمہ بنت اسد ہیں۔آپ رضی اللہ عنہا ہجرت مدینہ نہ کر سکی تھیں۔فتح مکہ کے موقع پر آپ رضی اللہ عنہا مسلمان ہوئیں۔آپ رضی اللہ عنہا کا اپنا قول ہے کہ:

"انی لم اھا جر کنت من الطلقاء"۔

(تاریخ الخمیس جلد اول صفحہ 163)

(تاریخ الخمیس جلد اول صفحہ 271)

ام ہانی رضی اللہ عنہا ان کی کنیت ہے اوران کا نام فاختہ بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا تھا۔ بعض علماء نے ان کا نام ہند بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا لکھا ہے۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا کی شادی ہیرہ بن ابی وہب بن عمرو مخزومی سے ہوئی۔ اوراس سے اولاد بھی ہوئی۔ یہ شخص اسلام نہیں لایا تھا۔ اور فتح مکہ کے موقع پر نجران کی طرف بھاگ گیا تھا۔ اس کی موت شرک پر واقع ہوئی۔

"......... وتزوجھا ھبیرہ بن ابی وھب بن عمرو المخزومی وولدت لھا اولاذا او ھرب الی نجران ومات مشرکًا"۔

(نسب قریش صفحہ 39)

(تاریخ الخمیس جلد اول صفحہ 163)

(الاصابہ جلد 4 صفحہ 476)

(المجر ابن جعفر بغدادی صفحہ 396)

۲: جمانۃ بنت ابی طالب:

آپ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقیقی ہمشیرہ ہیں اورآپ کی والدہ بھی حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں۔ آپ کا نکاح ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حارث بن عبدالمطلب کے ساتھ ہوا۔ اوراولاد بھی ہوئی۔

(نسب قریش صفحہ 40)

(الاصابہ ابن حجر جلد 4 صفحہ 252)

(تاریخ الخمیس جلد اول صفحہ 164)

ابوسفیان رضی اللہ عنہ **بن حارث فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔** جمانۃ بنت ابی طالب کا اسلام لانا اور ہجرت کرنا بعض علماء نے ذکر کیا ہے لیکن زیادہ تر علماء نے اس کی تائید نہیں کی۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب

امیر المؤمنین اور اسد اللہ ان کے خطاب ہیں۔ 6 نبوی میں اسلام لائے۔ آپ رضی اللہ عنہ آقا ﷺ کے رضاعی بھائی تھے۔ یعنی آپ رضی اللہ عنہ نے اور آقا ﷺ نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ غزوہ بدر میں بھی شامل تھے اور غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کو سید الشہداء کا خطاب عطا فرمایا۔ ان کی میت پر کھڑے ہو کر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا۔

"رحمک اللہ ای عم فلقہ کنت وصولا للرحم فعولا للخیرات"۔

ترجمہ: چچا، خدا تم پر رحم کرے، قرابت کا حق خوب ادا کرنے والے اور بکثرت نیکی کرنے والے تھے۔

دشمنوں نے ان کا جگر نکالا، کان کاٹے، چہرہ بگاڑا، پیٹ چاک کر ڈالا۔ نبی اکرم ﷺ لاش کی حالت دیکھ کر اس قدر غمزدہ ہوئے جتنے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔

ان کے دو فرزند عمارہ اور یعلی تھے۔ عمارہ کا فرزند حمزہ ہوا اور یعلی کے پانچ فرزند پیدا ہوئے مگر آگے نسل نہ چلی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی دو بیٹیاں ام الفضل اور امامہ تھیں۔ امامہ کا نکاح سلمہ سے ہوا تھا۔

ابولہب بن عبدالمطلب

یہ بھی عبدالمطلب کی اولاد میں سے تھا۔آقاﷺ سے توحید کی وجہ سے عداوت رکھتا تھا۔غزوہ بدر سے آٹھ 8 دن بعد طاعون سے ہلاک ہوا۔تین دن تک اس کی میت سڑتی رہی۔

اس کے چار بیٹے تھے۔جن میں سے عقبہ رضی اللہ عنہ اور معقب رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اورغزوہ حنین میں مسلمانوں کی طرف سے شامل ہوئے۔درہ رضی اللہ عنہا بنت ابی لہب بھی مسلمان ہوئیں۔درہ رضی اللہ عنہا حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کے نکاح میں آئیں۔اور عتبہ،ولید اورابومسلم پیدا ہوئے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب

آپ کا اسم گرامی عباس، کنیت ابوالفضل، والد کا نام عبد المطلب اور والدہ محترمہ کا نام قبیلہ تھا جو کہ قبیلہ بنی نمر بن قاسط سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے چچا جان تھے۔ لیکن عمر کے لحاظ سے کوئی خاص فرق نہیں تھا واقعہ فیل سے ایک سال قبل ولادت ہوئی تھی۔

حلقہ بگوش اسلام:

نبی کریم ﷺ کو جب خلعت نبوت سے نوازا گیا اور آپ ﷺ نے مکہ کی گلیوں میں علی الاعلان توحید کی دل آواز صدا بلند فرمائی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ فوری طور پر تو مسلمان نہ ہوئے مگر دل سے اس دعوت کے حامی اور اس میں شمول کے خواہاں تھے۔ غزوہ بدر میں آپ مشرکین کی جانب سے شریک ہوئے لیکن حضور ﷺ نے اعلان کر رکھا تھا کہ اگر عباس رضی اللہ عنہ سامنے آئیں تو ان پر وار نہ کیا جائے۔

ایک مدت تک عباس رضی اللہ عنہ دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوئے لیکن خفیہ طور پر اسلام ہی کی فکر میں رہے۔ آپ مشرکین کی خفیہ خبریں حضور ﷺ تک پہنچاتے تھے۔ بالآخر آپ اسلام لے آئے اور فتح مکہ سے کچھ پہلے مع اہل وعیال مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور مدینہ المنورہ ہی میں سکونت پذیر ہوئے۔ ان کے اسلام لانے سے حضور ﷺ کو قلبی سکون ہوا اور اسلام کو مزید عزت وتقویت ملی۔ فتح مکہ میں شریک تھے۔ جنگ حنین میں آپ ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ آپ نے مختلف غزوات اور سرایا میں شرکت فرمائی اور نہایت حوصلہ مندی، جوانمردی اور شجاعت وبہادری کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ محاصرہ طائف، غزوہ تبوک اور حجتہ الوداع کے حسین موقعوں پر بھی آپ شریک تھے۔

آپ نہایت مالدار تھے تجارت آپ کے لیے ذریعہ معاش تھی۔ دور جاہلیت میں سودی معاملات کیا کرتے تھے مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا اور سود کی حرمت آگئی تو سودی

معاملات ترک کردیے۔

چنانچہ سید الکونین ﷺ فرماتے ہیں۔

"ان اللہ اتخذ خلیلاَ کما اتخذ نی ابراھیم خلیلاَ فمنزلی م منزل ابراھیم فی الجنة یوم القیامة تجاھین و العباس بیننا مومن بین خلییلین"

(ابن ماجہ)

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیل بنایا جس طرح کہ ابراہیم کو خلیل بنایا ہے۔ پس قیامت کے دن میرا مقام اور حضرت ابراہیم کا مقام جنت میں آمنے سامنے ہوگا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ دو خلیفوں کے درمیان میں ایک مومن کی حیثیت سے ہوں گے"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اٹھاسی سال کی عمر پا کر 32ھ میں 12 رجب المرجب یا رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں بروز جمعۃ المبارک کو اس دنیا فانی سے دار البقا کی طرف ہمیشہ کے لیے رحلت فرما گئے خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے فرزند ارجمند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے قبر میں سپرد خاک کیا۔ آپ جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔ آپ نے وفات کے وقت ستر غلاموں کو آزاد کیا تھا۔

(مظاہر حق جدید، تکمیل الحاجہ)

آپ رضی اللہ عنہ کے فرزندوں میں فضل، عبید اللہ، عبداللہ، معبد، قثم، عبدالرحمٰن، عون، تمام، کثیر اور حارث ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مختصر سوانح عمری

آپ کا نام نامی اسم گرامی عبداللہ، والد کا نام عباس رضی اللہ عنہ، والدہ کا نام ام الفضل لبابہ تھا۔ آپ حضور ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں سلسلہ نسب اس طرح ہے عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن بنی ہاشم الخ ۔آپ ہجرت نبوی سے تین سال قبل پیدا ہوئے جب بنو ہاشم کے لوگ گھاٹی میں محصور تھے، آپ زبردست علمی فضیلت کے حامل تھے۔ بحر الامت اور خیر الامت کے لقب سے ملقب تھے۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

"ضمنی رسول اللہ ﷺ الیه قال اللھم علمه الحکمة و تاویل الکتاب"

(ابن ماجہ)

اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے اپنے سے چمٹایا اور دعا فرمائی کہ اے اللہ تو اسے حکمت اور قرآن کا فہم عطا فرما۔ ساری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اعلم تفسیر القرآن تھے۔ آپ تاج المفسرین کہلاتے ہیں کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بالمقابل آپ قرآن کریم کے علوم و معانی اسرار و حکم اور رموز و غوامض سے زیادہ واقف تھے قرآنی تفسیر میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

68ھ میں پیمانہ حیات لبریز ہوگیا، ایک روز سخت بیمار ہوئے۔ بستر علالت کے اردگرد احباب و معتقدین کا ہجوم تھا۔ ایک ہفتہ علیل رہنے کے بعد روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ محمد بن حنفیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

نوٹ: آپ رضی اللہ عنہ کی کچھ اولاد پاکستان کے شمالی علاقہ جات مری اور کشمیر میں بھی آباد ہے۔

(مری میں بسنے والے عباسیوں کا شجرہ نسب دیکھنے کے لیے راقم کی کتاب "شجرہ نسب بنو عباسؓ" کی

طرف رجوع کریں)۔

﴿زبیر بن عبدالمطلب﴾

آقا ﷺ کی عمر مبارک 34 سال تھی جب زبیر کا انتقال ہوا۔

(انسان العیون جلد اول صفحہ 135)

حلف الفضول میں آپ نے بہت سعی کی تھی ،اس سے ان کی نیکی اور رحمدلی کا حال بخوبی معلوم ہوتا ہے۔

ان کا ایک فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ اور دو بیٹیاں صباعہ رضی اللہ عنہا اور ام حکیم رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں۔

(الاستیعاب)

حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب

آپ باپ کے لاڈلے فرزند تھے۔ عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر خدا تعالی اسے دس بیٹے عطا فرمائے تو وہ ایک فرزند ذبح کر دے گا۔

جب عبدالمطلب کے گھر دس فرزند پیدا ہو چکے، تب انہوں نے اپنی منت کو پورا کرنے کا ارادہ کیا۔ قرعہ ڈالا گیا تو عبداللہ کا نام نکلا۔ عبدالمطلب عبداللہ کو لے کر قربانی گاہ کی طرف چل پڑے۔ چھری بھی ہاتھ میں تھی۔ عبداللہ کی بہنیں دیکھ کر رونے لگیں۔ ان میں سے ایک بہن نے عبدالمطلب سے کہا کہ اس کے بدلے اونٹوں کا قرعہ ڈالیے۔ چنانچہ عبدالمطلب نے دس اونٹوں کا قرعہ ڈالا مگر پھر بھی قرعہ عبداللہ کے نام کا ہی نکلا۔ اس کے بعد بالترتیب (20، 30، 40، 50، 60، 70، 80، 90) اونٹوں کا قرعہ ڈالا گیا مگر ہر دفعہ قرعہ عبداللہ کے نام کا ہی نکلا۔ آخر جب 100 اونٹوں کا قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ اونٹوں کا نکل آیا۔ اس وقت عبدالمطلب نے اور تمام خاندان والوں نے اللہ اکبر کہا اور پھر 100 اونٹ صفا اور مروہ کے درمیان ذبح کر دیے گئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 244)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک اعرابی آیا اور آپ ﷺ کو ان لفظوں سے خطاب کیا "یا ابن الذبیحین" آپ ﷺ نے تبسم فرمایا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب اس حدیث کو بیان کر چکے تو حاضرین میں سے کسی نے آپ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ وہ دو ذبیح کون ہیں؟ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ کا واقعہ جو اوپر گزرا یہ بیان کیا اور کہا کہ ایک حضرت عبداللہ (آقا ﷺ کے والد محترم) اور دوسرے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام۔

(الخصائص الکبری جلد اول صفحہ 45)

عبدالمطلب جب فدیہ سے فارغ ہوئے تو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ قبیلہ بنی زہرہ جو شرافت نسبی میں ممتاز تھا۔ اس میں وہب بن عبد مناف کی صاجزادی آمنہ جو اپنے چچا وہیب بن عبد مناف کی زیر تربیت تھی ان سے حضرت عبداللہ کا نکاح کر دیا۔ اور خود وہیب (حضرت آمنہ کے چچا) کی صاجزادی جن کا نام ہالہ تھا ان سے نکاح کر لیا۔ ایک ہی مجلس میں دونوں باپ بیٹے کا نکاح پڑھا گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ انہی ہالہ سے ہیں جو رشتہ میں آپ ﷺ کے چچا اور رضاعی بھائی ہیں۔

(طبقات الکبری جلد اول صفحہ 58)

حضرت عبداللہ کی عمر اور وفات کے متعلق پیچھے گزر چکا۔

ضرار بن عبدالمطلب

یہ بھی عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔آپ فتیان قریش میں سے تھے۔آپ نے آغاز بعثت میں ہی انتقال کیا۔آپ کی اولاد نہ تھی۔

مقوم بن عبدالمطلب

آپ بھی عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔آپ سے بھی نسل نہ چلی۔آپ کی بیٹی ہند تھی۔

حجل بن عبدالمطلب

آپ بھی عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔آپ کے اشعار طبقات الکبیر میں موجود ہیں۔جس میں انہوں نے اپنے بارہ اماموں کے نام شمار کیے ہیں۔

نوٹ:غیداق اور قثم کے حالات تاریخ میں نہیں ملتے۔

ام حکیم بنت عبدالمطلب

آپ عبداللہ، ابوطالب اور زبیر کی حقیقی بہن ہیں۔آپ کا نکاح کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن مناف سے ہوا تھا۔آپ کے فرزند کا نام عامر رضی اللہ عنہ تھا۔ جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئے تھے۔عامر رضی اللہ عنہ کا بیٹا عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں۔جن کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خراسان کا والی بنایا تھا۔ام حکیم کی بیٹی اروی ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔

(زرقانی-الاستیعاب)

امیم بنت عبدالمطلب

آپ کا نکاح جحش بن ارباب سے ہوا تھا۔ ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہ ام حبیبہ اور حمنہ ان کی بیٹیاں ہیں۔ اور عبداللہ ان کے بیٹے ہیں۔

ام حبیبہ کا نکاح عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

حمنہ کا پہلا نکاح مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر سے ہوا اور دوسرا نکاح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ سے ہوا۔ دوسرے نکاح سے محمد اور عمران پیدا ہوئے۔

عبداللہ یوم احد کو شہید ہوئے اور اپنے ماموں حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدفون ہیں۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب

آپ بھی عبدالمطلب کی بیٹی ہیں۔ آپ نے غزوہ بدر سے چند یوم پہلے ایک خواب دیکھا تھا۔ کافروں نے یہ خواب جب سنا تو خوب ہنسی اڑائی کہ اب تو ہاشم کی لڑکیاں بھی نبوت کرنے لگیں۔ لیکن نتیجہ وہی نکلا جیسا کہ خواب میں ان کو دکھایا گیا تھا۔ خواب یہ تھا کہ ایک سوار ہے اس نے کوہ بوقبیس سے ایک پتھر اٹھایا ہے اور رکن کعبہ پر کھینچ مارا۔ اس پتھر کے ذرے ذرے ہوگئے۔ ہر ایک ذرہ قریش کے ہر ایک گھر میں جا پہنچا۔ البتہ بنوزہرہ بچ گئے۔

(الاستیعاب صفحہ 723)

صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب

آپ امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن ہیں۔ ان کا نکاح حارث بن حرب بن امیہ سے ہوا تھا۔ وہ فوت ہوئے تو نکاح عوام بن خویلد بن اسد سے ہوا۔ عوام حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی

تھے۔اس نکاح سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ جوعشرہ مبشرہ سے ہیں۔سائب رضی اللہ عنہ بھی ان کے فرزند ہیں۔ جوغزوہ بدر،خندق اور یمامہ میں شریک ہوئے۔حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے غزوہ خندق میں ایک یہودی کو قتل بھی کیا تھا۔

برہ بنت عبدالمطلب

ان کا نکاح عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمرو بن خزوم القرشی سے ہوا تھا۔عبداللہ ان کے بیٹے ہیں۔ جو پہلے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے۔

اروی بنت عبدالمطلب

نبی اکرم ﷺ کے والد (یعنی حضرت عبداللہ) کی حقیقی بہن ہیں۔ابن سعد اور ابن قیم نے ان کے اسلام کی تصدیق کی ہے۔آپ کا نکاح عمیر بن وہیب بن عبد بن قصی سے ہوا تھا۔ان کے فرزند طلیب رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے۔ان کا شمار مہاجرین اول میں ہوتا ہے۔بعض کے نزدیک طلیب رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے جنہوں نے راہ خدا میں خون بہایا تھا۔اور بعض کے نزدیک سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے راہ خدا میں خون بہایا تھا۔طلیب غزوہ بدر میں شامل تھے۔واقعہ اجنادین میں شہید ہوئے۔

﴿ آقا ﷺ کا پہلا نکاح ﴾

آقا ﷺ جب پچیس 25 برس کے ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس 40 برس تھی ۔ابو طالب نے نکاح پڑھایا۔اور جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آقا ﷺ کا پہلا نکاح جب ہوا تو آپ ﷺ کی عمر مبارک پچیس 25 برس تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس 40 سال تھی ۔البتہ کچھ اقوال اس کے خلاف بھی ہیں مگروہ خلاف واقعہ ہیں ۔صحیح یہی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس 40 سال ہی تھی۔

1: حضرت عبد الرحمٰن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فحضر و دخل رسول الله ﷺ فی عمومته فزوجها و هوا بن خمس و عشرین سنة و خدیجة یومئذ بنت اربعین سنة"۔

(الوفا باحوال المصطفی ﷺ صفحہ 145)

نکاح کے وقت حضرت محمد ﷺ کی عمر 25 سال اور حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس 40 سال تھی"۔

2: "شادی کے وقت آپ ﷺ کی عمر شریف پچیس 25 سال اور حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس 40 سال تھی"۔

(سیرت ابن ہشام جلد اول صفحہ 187 تا 190)

3: "شادی کے وقت آپ ﷺ کی عمر شریف پچیس 25 سال اور حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس 40 سال تھی"۔

(سیرت ابن کثیر صفحہ 262 تا 265)

4: مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

"جب آپ ﷺ پچیس 25 سال کے ہوئے تو آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا بنت خویلد سے ہوا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت چالیس 40 برس تھی"۔

(نبی رحمت ﷺ صفحہ 136، 137)

5: مولانا ادریس کاندھلویؒ رقمطراز ہیں:

"نکاح کے وقت آپ ﷺ کی عمر شریف پچیس 25 سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر شریف چالیس 40 سال تھی"۔

(سیرت مصطفی ﷺ جلد اول صفحہ 112)

6: علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"آپ ﷺ کی عمر مبارک پچیس 25 سال ہو چکی تھی اور شادی کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس 40 سال تھی"۔

(سیرۃ النبی ﷺ جلد اول صفحہ 187 تا 189)

7: محقق دوراں، فاضل دیوبند مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"سردار دو عالم ﷺ کی عمر مبارک نکاح کے وقت پچیس 25 سال یا بقول بعض تیس 30 سال تھی اور یہ اعلان نبوت سے پہلے کا دور ہے۔ بقول حکیم ابن حزام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ سے عمر میں پندرہ برس بڑی تھیں۔ اس وجہ سے علماء فرماتے ہیں کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت

چالیس 40 سال کے لگ بھگ تھی۔ طبقات ابن سعد جلد 8 صفحہ 9،10 تحت ذکر خدیجہؓ۔ طبع اول لیڈن ☆ الاصابہ جلد 4 صفحہ 274 تحت ذکر خدیجہؓ۔ معہ الاستیعاب ☆ طبقات ابن سعد جلد 8 صفحہ 156۔ تحت ذکر عدد ازواج النبی ﷺ ☆"۔

(بنات اربعہ صفحہ 43)

8: فاضل دیوبند، آبروءِ علماءِ دیوبند مولانا مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"شادی کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر 40 سال اور بعض روایات کی رو سے پینتالیس 45 سال تھی۔ (مغلطائی)"۔

(سیرت خاتم الانبیا ﷺ صفحہ 26)

9: قاری شریف احمد صاحب رقمطراز ہیں:

"نکاح کے وقت سرکار دو عالم ﷺ کی عمر مبارک پچیس 25 سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی چالیس 40 سال تھی"۔

(تذکرہ خاتم الانبیا ﷺ صفحہ 76)

10: قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری رقمطراز ہیں:

"نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس 40 سال اور نبی اکرم ﷺ کی عمر پچیس 25 سال تھی"۔

(رحمۃ للعالمین ﷺ جلد دوئم صفحہ 144)

قارئین ذی وقار! اس قسم کی سینکڑوں عبارات تاریخ کی کتابوں اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ جن میں واضح طور پر یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ

رضی اللہ عنہا سے ہوا تو آپ ﷺ کی عمر مبارک پچیس 25 سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر شریف چالیس 40 سال تھی۔ جبکہ پروفیسر طاہر علی الہاشمی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"سبائی مؤرخین نے چالیس 40 سال کے قول کو اتنی شہرت دی کہ دیگر اقوال کالعدم ہو گئے"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 156)

مذکورہ بالا عبارت میں پروفیسر صاحب نے نہ صرف تمام سنی اکابرین کی اس چالیس سال والی عبارت کا رد کیا بلکہ ساتھ ساتھ ان بزرگ اکابرین کو سبائی مؤرخین کی چال میں پھنسا ہوا بھی کہا ہے۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ پروفیسر صاحب کا ان سنی اکابرین سے تعلق ہے یا کسی اور سے؟

پروفیسر صاحب آگے لکھتے ہیں کہ البدایہ والنہایہ میں ہے:

"اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر پینتیس 35 سال تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ پچیس 25 سال تھی"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 157)

میں سب سے پہلے پروفیسر صاحب سے پوچھوں گا کہ انہیں کس نے حق دیا ہے کہ اپنی طرف سے عبارتیں گھڑ گھڑ کر کسی کی طرف منسوب کرتے رہو؟ یہ جو پروفیسر صاحب نے عبارت ابن کثیر کی طرف منسوب کی ہے اس میں پروفیسر صاحب نے "اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ پچیس سال تھی" اپنی فیکٹری میں تیار کر کے پیش کیا ہے۔ البدایہ والنہایہ کی اصل عبارت یہ ہے۔

"اکثر راویوں کے بقول جب آنحضرت ﷺ کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی تھی اس وقت آپ ﷺ کی عمر پچیس 25 سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر پینتیس 35 سال تھی"۔

(البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 597 نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی)

آگے چل کے پروفیسر صاحب کو جب کوئی دلیل نہ مل سکی تو بچوں کی طرح باتیں کرنے لگے۔ لکھتے ہیں:

"علاوہ ازیں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ جس خاتون کے چالیس سال تک دو بچے پیدا ہوئے۔ وہ وفات یعنی پینسٹھ 65 سال کی عمر تک آٹھ مزید بچوں کی ماں کیسے بن گئی؟ طبی لحاظ سے بھی اس اعتراض کو بہت اہمیت ہے"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 157)

سب سے پہلی بات کہ پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ

"آٹھ 8 بچوں کی ماں کیسے بن گئی؟"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 157)

پروفیسر صاحب سب سے پہلے آٹھ بچے ثابت کردیں؟ اپنے آپ کو بہت بڑا محقق دوراں اور پتہ نہیں کیا کیا کہنے والا شخص۔ اس کے علم اور تحقیق کی یہی انتہا ہے کہ اُسے اتنا پتہ تک نہیں کہ آقا ﷺ کہ جو محبوب کائنات ہیں۔ وجہ کائنات ہیں۔ اور شاید پروفیسر صاحب اپنے آپ کو عاشق رسول بھی کہتے ہوں۔ خود کہیں نہ کہیں کتاب پر جو تقریظ لکھی گئی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ:

"حضرت نے اہل سنت والجماعت کی وکالت اور ترجمانی کا حق ادا کردیا"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 15)

میں کہتا ہوں کہ پروفیسر صاحب کی یہ آٹھ بچوں والی عبارت اور تقریظ لکھنے والے حضرت صاحب نے اگر کتاب کا مطالعہ کر کے تقریظ لکھی ہے تو دونوں حضرات نے اہل سنت والجماعت کی ترجمانی اور وکالت کا حق ادا کیا ہے یا کسی اور کی۔۔۔۔۔ یہ بخوبی معلوم ہو رہا ہے؟

اور اگر تقریظ لکھنے والے حضرت یہ کہیں کہ میں نے کتاب کا مطالعہ نہیں کیا تھا تو عوام کے

سامنے اپنی بات سے رجوع کریں۔ اور عوام کے ذہنوں کو خراب کرنے میں اپنا حصہ نہ ڈالیں۔

بہر کیف اس آٹھ 8 بچوں والی عبارت کا جواب آگے چل کر پروفیسر صاحب نے خود ہی دے دیا اور پتہ بھی نہیں چلا کہ میری عبارتیں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی ہیں۔

"جملہ ارباب سیر و تاریخ اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ کی چار بیٹیاں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا از بطن ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 200)

تھوڑا آگے چل کر لکھتے ہیں:

"لیکن مشہور صحیح اور راجح قول کے مطابق تین بیٹے تھے۔ قاسم رضی اللہ عنہ اور عبداللہ رضی اللہ عنہ از بطن سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابراہیم رضی اللہ عنہ از بطن سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 200)

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ آقا ﷺ کی اولاد جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئی اس میں چار بیٹیاں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا، سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ اور دو بیٹے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب کہ ایک بیٹا حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔

اب پروفیسر صاحب سے سوال یہ ہے کہ جو آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے آٹھ 8 مزید بچوں کا ذکر کیا ہے جبکہ تھے صرف چھ 6۔ آپ نے دو بچے بڑھا کر (و الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا و الآخرۃ ☆ اور و الذین یؤذون المؤمنین و المؤمنات بغیر مکتسبوہ فقد حتملو بھتانا و اثما مبینا ☆) دونوں آیتوں کا مصداق بننا کیوں پسند کیا؟ کس

چیز نے آپ کو اس طرف ابھارا؟ اور کس نے آپ کو مجبور کیا کہ آپ دو بچے بڑھا کر لکھیں؟

علاوہ ازیں اس عبارت میں پروفیسر صاحب نے ایک اور جملہ قابل اعتراض لکھا ہے کہ:

"طبی لحاظ سے بھی اس اعتراض کو بہت اہمیت حاصل ہے"

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 157)

پروفیسر صاحب کا یہ جملہ کہ "طبی لحاظ سے اس اعتراض کو بہت اہمیت حاصل ہے" سے یہ بتانا مقصود ہے کہ طب کے لحاظ سے جو عورت چالیس سال تک دو بچوں کی ماں بنی ہو وہ آگے مزید پچیس سال تک آٹھ اور بچوں کی ماں نہیں بن سکتی۔ تو پھر میں پروفیسر صاحب سے پوچھوں گا کہ:

﴿سوالات﴾

1: آپ جس طب کی بات کر رہے ہیں اس طب کے مطابق کیا بغیر ماں باپ کے کوئی بچہ دنیا میں آ سکتا ہے؟ (جیسے آدمؑ)

2: آپ جس طب کی بات کر رہے ہیں اس طب کے مطابق کیا کوئی بچہ بغیر ماں کے پیدا ہو سکتا ہے؟

(جیسے اماں حواؑ)

3: آپ جس طب کی بات کر رہے ہیں اس طب کے مطابق کیا جس عورت نے 60 یا 70 سال تک اولاد بالکل جنی ہی نہ ہو وہ ستر 70 سال کے بعد کوئی بچہ جن سکتی ہے؟

(جیسے اسحاقؑ کی والدہ)

4: آپ جس طب کی بات کر رہے ہیں اس طب کے مطابق جس شخص کی اسی 80 نوے 90 سال تک کوئی اولاد نہ ہوئی ہو۔ اس کے ہاں اتنی زیادہ عمر میں کیا اولاد پیدا ہو سکتی ہے؟

(جیسے حضرت ابراہیمؑ)

5: آپ جس طب کی بات کررہے ہیں اس کے مطابق کسی شخص کے چہرے پر بیٹے کا کُرتا پڑنے پر بینائی کیا واپس آسکتی ہے؟ (جیسے حضرت یعقوبؑ)

6: آپ جس طب کی بات کررہے ہیں اس کے مطابق کسی شخص کو کنوے میں پھینک دیا جائے اور کچھ دنوں کے بعد وہاں سے اسے نکالا جائے تو کیا وہ شخص زندہ ہوگا؟ (جیسے یوسفؑ)

7: آپ کی اس طب کے مطابق کیا کوئی بچہ بغیر باپ کے پیدا ہوسکتا ہے؟

(جیسے عیسیٰؑ)

8: آپ کی اس طب کے مطابق کیا کوئی اونٹنی پتھر سے نکل کر بچہ جن سکتی ہے؟

9: آپ کی طب کے مطابق کیا کوئی چھڑی اژدھا بن کر باقی تمام سانپوں کو نگل سکتی ہے؟

10: آپ کی طب کے مطابق کیا کوئی چھڑی دریا کی روانی کو روک سکتی ہے؟

11: آپ کی طب کے مطابق کیا کوئی انسان ایک سو سال تک سوسکتا ہے؟

12: آپ کی طب کے مطابق کیا کوئی انسان رات کے تھوڑے سے حصے میں تمام آسمانوں کی سیر کرسکتا ہے؟

13: آپ کی طب کے مطابق اگر کسی انسان کا دن نکالا جائے اور پھر واپس ڈالا جائے تو کیا وہ انسان زندہ رہے گا؟

14: آپ اور آپ کی طب کے مطابق کیا کوئی کاغذ دریا کو جاری کرسکتا ہے؟

15: آپ اور آپ کی طب کے مطابق کیا کسی انسان کی ٹھوکر سے زلزلہ رک سکتا ہے؟

16: آپ اور آپ کی طب اور سائنس کے مطابق کیا کسی انسان کی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوسکتا ہے؟

17: آپ کی طب کے مطابق کیا کسی انسان کا لعاب لگنے سے انسان کے جسم کے کسی حصے کا درد ختم

ہوسکتا ہے؟

18: آپ کی طب کے مطابق کیا کسی جانور کے تھنوں کو کسی انسان کا ہاتھ لگنے سے اس کا سوکھا ہوا دودھ واپس آسکتا ہے؟

19: آپ کی طب کے مطابق کیا کسی انسان کو آگ میں ڈالا جائے تو وہ انسان زندہ رہ سکتا ہے؟

20: آپ کی طب کے مطابق کسی انسان کی میت کو جلا کر راکھ کر دیا جائے تو وہ انسان کیا واپس زندہ ہو سکتا ہے؟

پروفیسر صاحب کو یہ اعتراض کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہیے تھا کہ ان کا یہ اعتراض کہاں تک پہنچے گا؟

ایک بات یہ بھی ہے کہ پروفیسر صاحب نے رب ذوالجلال پر (نعوذ باللہ) اٹھائی ہے کہ 60 یا 65 سال کی عمر میں عورت نے کیسے بچے جنے؟ لیکن پروفیسر صاحب کو اتنا تو سوچ لینا چاہیے تھا کہ وہ اللہ (واللہ علی کل شیء قدیر) ہے۔ وہ اگر چاہے تو 80، 90 سال کے بوڑھے کو اولاد دے دے اس کو کون پوچھنے والا ہے؟ وہ جو چاہے کرے۔ پروفیسر صاحب! اُس رب کے ہاں میرا اور آپ کا مشورہ نہیں چلتا۔

قارئین سے گزارش ہے کہ اس قسم کے لوگوں سے دور رہیں جو اپنے اوپر سنیت کا لیبل لگا کر سنیت کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ اگر ان لوگوں کا اہلسنت والجماعت سے کسی قسم کا واسطہ یا تعلق ہوتا تو ان کے عقائد و نظریات اہلسنت والجماعت کے اکابرین سے ضرور ملتے جلتے ہوتے مگر جتنی پیچھے عبارتیں نقل ہوئی ہیں (اکابرین کی یا پروفیسر صاحب کی) ان عبارتوں میں موازنہ کر کے ایک عام آدمی بھی بتا سکتا ہے کہ ان کا اہلسنت والجماعت سے تعلق ہے یا کسی اور سے؟

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے آنحضرت ﷺ کی اولاد

سرکار دو عالم ﷺ کی تمام اولاد سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئی۔ جب کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔

"آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد ماسوائے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے متولد ہوئی"۔

(مجمع الزوائد للہیثمی جلد 9 صفحہ 220)

لیکن اولاد کی ترتیب کے بارے میں اختلاف ہے کہ پہلے کون پیدا ہوا اور بعد میں کون۔ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

1۔ابن ہشام فرماتے ہیں:

آپ ﷺ کے بیٹے قاسم رضی اللہ عنہ سب سے پہلے پیدا ہوئے۔ ان کے بعد عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ان کو طیب اور طاہر بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ پھر رقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں اور پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا متولد ہوئیں۔ اور یہ سب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے متولد ہوئے۔

(سیرت نبویہ ابن ہشام جلد اول صفحہ 190)

2۔ہیثمی فرماتے ہیں:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے سب سے پہلے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ متولد ہوئے۔ پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا ، پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، جو کو طیب اور طاہر بھی کہتے ہیں۔ پھر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا، پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پھر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

متولد ہوئیں۔

(مجمع الزوائد للہیثمی جلد 9 صفحہ 217)

3۔حافظ ابن قیم فرماتے ہیں:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سب سے پہلے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ متولد ہوئے۔ پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا متولد ہوئیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ سے بڑی تھیں۔ پھر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، پھر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا متولد ہوئیں۔

(زاد المعاد از ابن قیم جلد اول صفحہ 25، 26)

4۔طبقات ابن سعد میں ہے:

كان اول من ولد لرسول الله ﷺ بمكة قبل النبوة القاسم وبه كان يكنى ثم ولد له زينب ثم رقيه ثم فاطمه ثم ام كلثوم ثم وولد له فى الاسلام عبدالله فسمى الطيب والطاهر وامهم جميعا خديجةبنت خويلد بن اسد۔

ترجمہ:یعنی نبوت سے پہلے مکہ شریف میں نبی ﷺ کے ہاں آپ ﷺ کے پہلے صاجزادے قاسم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی کنیت "ابوالقاسم" جاری ہوئی۔ پھر آپ ﷺ کی صاجزادی زینب رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں اور پھر رقیہ رضی اللہ عنہا، پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا، پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہا پھر اسلام کے دور میں آپ ﷺ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ متولد ہوئے انہیں کو طیب و طاہر کہا جاتا ہے۔ اس ساری اولاد کی والدہ ماجدہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد ہیں۔

(طبقات ابن سعد جلد اول صفحہ 85)

(طبقات ابن سعد جلد 8 صفحہ 156)

5۔ابن قتیبہ دینوری (المتوفی 276ھ) فرماتے ہیں:

وولد لرسول الله ﷺ من خديجه القاسم وبه كان يكنى والطاهر وطيب وفاطمه و زينب و رقيه وام كلثوم ومن مارية القبطية ابراهيم۔

ترجمہ:یعنی سرکار دو عالم ﷺ کی اولاد شریف خدیجہ رضی اللہ عنہا سے یہ تھی۔قاسم رضی اللہ عنہ انہی کے نام سے آپ ﷺ کی کنیت "ابوالقاسم" تھی۔طاہروطیب،فاطمہ،زینب،رقیہ اورام کلثوم اورصاجزادہ ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ سے تھے۔

(المعارف ابن قتیبہ صفحہ 61)

6۔احمد بن بلاذری (المتوفی 277ھ یا 279ھ) فرماتے ہیں:

"۱۔خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے صاجزادے قاسم بن رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے۔

۲۔اس کے بعد حضرت ﷺ کی صاجزادی زینب رضی اللہ عنہا متولد ہوئیں۔یہ آپ ﷺ کی تمام صاجزادیوں سے بڑی تھیں۔ان کا نکاح ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ سے ہوا جوان کے خالہ زاد بھائی تھے۔یعنی ہالہ بنت خویلد بن اسد کے بیٹے تھے۔

۳۔پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی صاجزادی رقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

۴۔پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی صاجزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

۵۔پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

(کتاب انساب الاشراف صفحہ 396 تا 402 جزواول)

مندرجہ بالا عبارتوں سے یہ واضح ہوا کہ اس میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ کی اولاد کس ترتیب سے پیدا ہوئی۔یعنی پہلے کون پیدا ہوا اور بعد میں کون؟ البتہ جمہور علماء اس ترتیب پر متفق ہیں کہ

بیٹیوں میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں، ان سے چھوٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں، ان سے چھوٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں، اور سب سے چھوٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تھیں۔ چنانچہ:

۱۔ قاضی سلیمان سلمان منصور پوری صاحب نے اسی ترتیب کو ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(رحمۃ للعالمین ﷺ جلد 2 صفحہ 102 تا 108)

۲۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب فرماتے ہیں:

"حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے ایک صاجزادے القاسم پیدا ہوئے۔ ان ہی کے نام پر آپ ﷺ کی کنیت تھی، ان کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا۔ اس کے بعد بالترتیب حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، صاجزادوں میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت طیب رضی اللہ عنہ اور طاہر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے ان کو تین شمار کیا ہے لیکن علامہ ابن قیم کی تحقیق یہ ہے کہ طیب وطاہر، عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لقب تھے۔ یہ سب اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھی"۔

(نبی رحمت ﷺ صفحہ 560، 561)

۳۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ رقمطراز ہیں:

"چار صاجزادیاں زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں اور صاجزادیوں میں سب سے چھوٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں"۔

(سیرۃ الرسول ﷺ صفحہ 49)

4۔ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"چار صاجزادیاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا

تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی اولاد میں سب سے بڑی تھیں"۔

(سیرت خاتم الانبیا ﷺ صفحہ 28)

5۔ مولانا سعید انصاری صاحب رقمطراز ہیں:

"آقا ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں، دوسرے نمبر پر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں، تیسرے نمبر پر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں اور سب سے چھوٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تھیں"۔

(سیر الصحابہؓ حصہ 10 صفحہ 95 تا 101)

6۔ قاری شریف احمد صاحب فرماتے ہیں:

"۱۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا: قاسم رضی اللہ عنہ سے چھوٹی اور سب بہنوں سے بڑی تھیں۔

۲۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا: زینب رضی اللہ عنہا سے چھوٹی تھیں۔

۳۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا: رقیہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی تھیں۔

۴۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا: ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے چھوٹی یا یوں کہہ لیجئے کہ سب بہنوں سے چھوٹی تھیں"۔

(تذکرہ خاتم الانبیا ﷺ حصہ دوئم صفحہ 398)

7۔ سید محمد اسمعیل صاحب رقمطراز ہیں:

"اس کے بعد خدا تعالی نے یکے بعد دیگرے چار لڑکیاں عطا فرمائیں۔ پہلی زینب رضی اللہ عنہا، پھر رقیہ رضی اللہ عنہا، پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور پھر فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا۔ حضور ﷺ بچوں سے بے حد محبت کرتے تھے"۔

(رسول عربی ﷺ اور عصر جدید صفحہ 59)

8۔ شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ صاحب فرماتے ہیں:

"آپ ﷺ کی چار لڑکیاں ہوئیں اور اکثر کی تحقیق ہے کہ ان میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں، پھر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، پھر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا، پھر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا "۔

(فضائل اعمال باب دھم صفحہ 157)

مذکورہ بالا عبارتوں سے ثابت ہوا کہ علماء حق کا اس پر اتفاق ہے کہ آقا ﷺ کی بیٹیوں میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ پھر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ پھر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔ اور آخری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ اقوال اس کے علاوہ بھی ہیں مگر علماء حق اس قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

سرکار دو عالم ﷺ کے صاحبزادے

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اور بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات اس وقت ہوئی جب آپ رضی اللہ عنہ پاؤں پر چلنا سیکھ چکے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ ہی کے نام پر آقا ﷺ کی کنیت ابوالقاسم ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ بھی آقا ﷺ کے صاحبزادے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش آقا ﷺ کی بعثت کے بعد ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال بھی بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت کفار نے جب کہا کہ ان کی اولاد فوت ہو جاتی ہے۔ ان کا نام لیوا کوئی نہیں رہے گا تو اس وقت سورہ کوثر نازل ہوئی۔ طیب اور طاہر آپ رضی اللہ عنہ کے القابات تھے۔

کافروں کا خیال تھا کہ آنحضرت ﷺ کی اولاد بچپن ہی میں فوت ہو جاتی ہے اس لیے ان کا نام لیوا کوئی باقی نہ رہے گا۔ مگر ان بدبختوں کو کیا معلوم تھا کہ جس کے لیے کائنات کو سجایا گیا بھلا اس کا نام مٹ سکتا ہے؟ یہ ان کافروں کی بہت بڑی غلط فہمی تھی۔

آج چودہ سو سال بیت گئے کوئی مسلمان بھلا آقا ﷺ کا نام بھولا ہے؟ ہرگز نہیں۔ نماز میں دیکھو، آذان میں دیکھو، کلمہ میں دیکھو، تکبیر میں دیکھو، درود میں دیکھو، غرض یہ کہ ہر جگہ، ہر چیز آپ ﷺ کے نام سے معطر ہے۔ لیکن جو یہ کہتے تھے کہ آقا ﷺ کا نام لیوا کوئی نہیں رہے گا ان بدبختوں کا نام آج کوئی لینے کو تیار نہیں۔ کوئی اپنے بچوں کا نام ان کے نام پر رکھنے کو تیار نہیں۔ مسلمان تو مسلمان کافر بھی

ایسا نہیں کرتے۔

﴿حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ﴾

آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش مدینہ منورہ میں ہوئی۔آپ رضی اللہ عنہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔آپ رضی اللہ عنہ کو ام بردہ بنت المنذر بن زید انصاری نے دودھ پلایا تھا۔آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال بھی بچپن ہی میں ہوا۔آپ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت سرکار دو عالم ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

"تدمع العین ویحزن القلب و لا نقول ما یسخط الرب و انا بک یا ابراهیم لمحزونون"۔

(صحیح مسلم بروایت اسماء بنت یزید بن السکن)

ترجمہ: آنکھیں اشک بار ہیں اور دل رنجور لیکن ہم کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو آپ کو ناراض کرنے والی ہو،اے ابراہیم (رضی اللہ عنہ)! ہم تم پر غمزدہ ہیں۔

اتفاق سے ان کے انتقال والے ہی دن سورج گرہن ہو گیا۔صحابہ رضوان اللہ تعالی علیهم اجمعین نے ارشاد فرمایا کہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کے انتقال پر سورج گرہن ہو گیا ہے۔تو آقا ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیهم اجمعین کو جمع فرمایا اور خطبہ ارشاد فرمایا کہ:

"ان الشمس و القمر لایخسفان لموت احد من الناس الکنها ایتان من ایات الله فاذرأ یتموها فصلو"۔

(صحیح بخاری عن ابن مسعود۔کتاب الکسوف)

ترجمہ: سورج چاند کسی بھی انسان کی موت سے نہیں گہناتے وہ اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں

ہیں۔ جب تم گہن دیکھو تو نماز پڑھا کرو۔

آپ رضی اللہ عنہ کی عمر بخاری شریف میں 17 یا 18 ماہ اور مسند احمد میں 18 ماہ بیان کی گئی ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ کی صاجزادیاں

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی صاجزادیوں میں سب سے بڑی ہیں۔ جمہور علماء کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا نبوت سے دس سال قبل سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ یعنی آپ رضی اللہ عنہا کی ولادت اس وقت ہوئی جب آقا ﷺ کی عمر مبارک تیس برس اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر 45 سال تھی۔

چونکہ بیٹی فطری طور پر رجحانات اور خیالات کے اعتبار سے اپنی ماں سے مشابہت رکھتی ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کا اسلام لانا ابتداء ہی میں ثابت ہوتا ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ابتداء ہی میں اسلام لے آئی تھیں۔ سرکار دو عالم ﷺ اپنی بڑی صاجزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے خصوصی محبت فرماتے تھے۔

"........... عبید اللہ بن محمد بن سلیمان الھاشمی یقول ولدت زینب بنت رسول اللہ ﷺ فی سنة ثلاثین من مولد النبی ﷺ وادرکت الاسلام واسلمت وھاجرت وکان رسول اللہ ﷺ محبا فیھا"۔

(ذخائر العقبیٰ صفحہ 156 از المحب الطبری)

(تاریخ الخمیس جلد اول صفحہ 273)

(الاستیعاب جلد 4 صفحہ 305)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص رضی اللہ عنہ بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبدالشمس بن عبد مناف سے ہوا۔ (ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا پورا نام بعض نے لقیط اور بعض نے مقسم وغیرہ لکھا

ہے)۔ ابوالعاص رضی اللہ عنہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ کے صاجزادے ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے اس نکاح کی بات کی تو آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا اوران دونوں کا نکاح فرمادیا۔ اور یہ نکاح نبوت سے پہلے ہوا۔

"..........عن عائشة رضی الله عنها قالت کان ابو العاص بن ربیع من رجال مکة المعدو دین مالا و تجارة و امانة فقالت خدیجة رضی الله عنها لرسول الله ﷺ روجه و کان رسول الله ﷺ لا یخالفها و ذالک قبل ان ینزل علیه الوحی فزوجه زینب رضی الله عنها فلما اکرم الله نبیه ﷺ بنبوته امنت خدیجة رضی الله عنها وبناته"۔

(ذخائر العقبیٰ صفحہ 157)

(البدایہ والنہایہ جلد 3 صفحہ 311)

(سیرت ابن ہشام جلد اول صفحہ 651،652)

آپ رضی اللہ عنہا مکہ سے مدینہ کی طرف ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی کنانہ کے ساتھ ہجرت فرمارہی تھیں کہ دشمنوں نے راستے میں روک لیا اور آپ رضی اللہ عنہا کو زخمی کردیا جس سے آپ رضی اللہ عنہا کا حمل ساقط ہوگیا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد کنانہ نے آپ رضی اللہ عنہا کو مدینہ پہنچایا۔ آپ رضی اللہ عنہا کے خاوند ابوالعاص رضی اللہ عنہ قریباً 6ھ کو ایمان لائے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا پھر نکاح ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ چونکہ آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح ساقط ہو چکا تھا۔ دوبارہ نکاح سے کچھ ہی عرصہ بعد آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال 8ھ کو ہوا۔

آپ رضی اللہ عنہا کو غسل ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ، ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ایک صالحہ عورت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے دیا۔ اور غسل کا طریقہ سرکار دو عالم ﷺ

نے تلقین فرمایا۔

(انساب الاشراف جلد اول صفحہ 400)

آ قاﷺ نے خود لحد میں اتر کر اپنی لخت جگر کو قبر کے حوالے کیا۔ آ قاﷺ کے چہرے انور پر حزن وملال کے آثار نمایاں تھے۔

(صحیح بخاری جلد اول صفحہ 167)
(صحیح مسلم جلد اول صفحہ 346)
(طبقات ابن سعد جلد 8 صفحہ 24)
(اسد الغابہ جلد 5 صفحہ 468)

"ماتت سنة ثمان فی حیوة رسول الله ﷺ واله نزل فی قبرها وهو مهموم محزن فلما خرج سری عنه وقال کنت ذکرت زینب و ضعفها فسالت الله تعالی ان یخفف عنها ضیق القبر و غمسه ففعل وهون علیها"۔

"رسول اللہﷺ کی زندگی میں 8ھ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں۔ اور آپ رضی اللہ عنہا کی قبر میں رسول اللہﷺ غمگینی کی حالت میں اترے اور نہایت غمزدہ تھے۔ جب قبر سے باہر تشریف لائے تو طبیعت کھلی ہوئی تھی اور ارشاد فرمایا کہ زینب رضی اللہ عنہا کے ضعف کا مجھے خیال تھا۔ میں نے اللہ تعالی سے سوال کیا کہ قبر کی تنگی زینب رضی اللہ عنہا سے دور کر دی جائے۔ پس اللہ تعالی نے منظور فرمالیا اور اس پر آسانی کر دی"۔

(تنقیح المقال جلد 3 صفحہ 79)

حافظ ابن کثیر نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو جو دشمنوں نے زخمی کیا تھا۔ اس درد کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہا بیمار رہیں اور انتقال فرمایا تو اس لحاظ

سے آپ رضی اللہ عنہا شہیدہ ہیں۔

"فکانو یرونھا ماتت شھیدہ"۔

(البدایہ النہایہ جلد 5 صفحہ 308)

بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی بیٹی نہیں تھیں اور یہ ہالہ کی بیٹی تھیں۔اور پالا رسول اللہ ﷺ نے تھا۔ان کو بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح چونکہ حضرت ابولعاص رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جو کہ ہالہ کے بیٹے تھے۔(جیسا کہ پیچھے گزرا) تو اس لحاظ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ اشکال بھی دور ہو جاتا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہالہ کی بیٹی تھیں۔اگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہالہ کی بیٹی ہوتیں تو پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت ابولعاص رضی اللہ عنہ کا نکاح کیسے ہوا؟ اس لحاظ سے تو یہ دونوں پھر بہن بھائی بنتے ہیں اور بہن بھائی کا نکاح دنیا کے کسی مذہب میں جائز نہیں ہے۔

اس نکاح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی بیٹی تھیں اور ہالہ ان کی خالہ تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ رضی اللہ عنہا کے خالہ زاد بھائی حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے ہوا۔آپ رضی اللہ عنہا کے بیٹے علی رضی اللہ عنہ اور بیٹی امامہ رضی اللہ عنہا تھیں۔علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ بچپن ہی میں انتقال فرمایا۔ایک روایت میں ہے کہ رشد کو پہنچ کر انتقال فرمایا جبکہ ابن عساکر کے مطابق یرموک کے معرکہ میں شہید ہوئے۔جبکہ امامہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے ہوا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق یہ نکاح ہوا۔یہ 11ھ کا واقعہ ہے۔اس کے بعد جب حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی شہادت 40ھ میں ہوئی تو حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق حضرت مغیرہ بن نوفل رضی اللہ عنہ سے ہوا۔اس نکاح سے یحی نامی لڑکا پیدا ہوا اور بعض کے مطابق کوئی اولاد نہ

ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا **انتقال** مغیرہ کے ہاں ہی ہوا۔

(الاصابہ جلد 8 صفحہ 14)

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی دوسری صاجزادی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی ولادت نبوت سے سات سال قبل ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی ولادت کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک 33 سال اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی عمر 48 سال تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا ابتداء ہی میں اسلام لے آئی تھیں۔ مگر نبوت سے پہلے آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے کردیا گیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا اور ابولہب کے نام کے ساتھ منسوب سورت "تبت یدا ابی لھب و تب" نازل ہوچکی تو ابولہب نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تم محمد (ﷺ) کی بیٹی کو طلاق دے دو ورنہ میرے سے علیحدہ ہوجاؤ چنانچہ عتبہ نے اپنے باپ کی بات مانتے ہوئے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنی اس لخت جگر کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کردیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے آپ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں بعض نے دو بیٹے لکھے ہیں کہ ایک بیٹا ناتمام پیدا ہوا تھا۔ اور دوسرا بیٹا عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ یہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔ اہل سیر لکھتے ہیں کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت قریبا چھ 6 سال تھی کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ ماری جو صحیح نہ ہوئی اور اسی تکلیف میں انہوں نے انتقال فرمایا۔ اور یہی قول صحیح ہے۔

"و کان لہ من الولد عبداللہ الاکبر و عبداللہ الاصغر امھا رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ"۔

(مروج الذھب للمسعودی جلد 2 صفحہ 341)

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو دفعہ حبشہ کی طرف

ہجرت کی۔آپ رضی اللہ عنہا کی اولاد بھی حبشہ ہی میں پیدا ہوئی۔آقا ﷺ نے فرمایا کہ عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے بعد پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنی بی بی کو لے کر ہجرت کی۔اور آپ ﷺ نے ان دونوں کو دعا بھی دی۔

(اسد الغابہ جلد 5 صفحہ 457)

2ھ غزوہ بدر کا سال تھا۔حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دانے نکلے۔اور سخت تکلیف ہوئی۔ جب غزوہ بدر کے لیے مسلمان جانے لگے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے پاس چھوڑ دیا اور فرمایا کہ:

"ان لک اجر رجل ممن شهد بدرا وسمعه"

ترجمہ: یعنی آپ رضی اللہ عنہ کے لیے بدر میں حاضر ہونے والوں کے برابر اجر ہے اور غنائم میں سے حصہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کے لیے ہے۔

(بخاری شریف جلد اول صفحہ 523)

(بخاری شریف جلد اول صفحہ 442)

(بخاری شریف جلد دوئم صفحہ 582)

جب غزوہ بدر میں فتح کا پیغام پہنچا تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا انتقال فرما گئیں۔رسول اللہ ﷺ بدر میں شرکت کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے مگر غزوہ بدر سے واپسی پر سیدھے آپ رضی اللہ عنہا کی قبر پر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا:

"الحقی بسلفنا عثمان ابن مظعون"۔

ترجمہ: یعنی اے رقیہ رضی اللہ عنہا: تم ہمارے سلف صالح عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کے ساتھ لاحق ہو اور ان کے ساتھ جا کر شامل ہو۔

(طبقات جلد ثامن صفحہ 24،25)

(الاصابہ جلد 4 صفحہ 297)

(الزرقانی شرح مواہب جلد 3 صفحہ 199)

﴿حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کا اجمالی تعارف﴾

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون قدیم الاسلام صحابی رسول ﷺ ہیں۔آپ رضی اللہ عنہ ابتداء ہی میں اسلام لے آئے تھے۔آپ رضی اللہ عنہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔مہاجرین میں آپ رضی اللہ عنہ پہلے صحابی ہیں جنہوں نے انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔جب آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ اشک بار تھے۔اور آپ رضی اللہ عنہ کو اسی حال میں بوسہ دیا۔

اسی بنا پر آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بن مظعون سلف صالحین کے نام میں ذکر فرمایا۔

(الاصابہ ابن حجر جلد 2 صفحہ 457)

حضرت عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہے اور والدہ کا نام حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بنت محمد الرسول اللہ ﷺ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ بچپن میں ہی فوت ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک 6 سال تھی کہ ایک مرغ نے آپ کی آنکھ میں چونچ ماری جس کا زخم ٹھیک نہ ہوا اور اسی زخم کی حالت میں ہی آپ رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا۔

اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ نے 6 سال کی عمر میں وفات پائی۔

1: چنانچہ بلاذری لکھتے ہیں:

"واما عبدالله بن عثمان رضی اللہ عنہ **فان رسول الله ﷺ وضعه فی حجره و دمعت عليه عينه وقال انما يرحم الله من عباده الرحماء"۔**

وصلی عليه رسول الله ﷺ ونزل عثمان فی حفرته"۔

(انساب الاشراف للبلاذری جلد 1 صفحہ 401 باب رقیہؓ)

2: تقریبا اسی طرح کے الفاظ تاریخ الخمیس میں بھی موجود ہیں۔

(تاریخ الخمیس للدیار لبکری جلد 1 صفحہ 275)

ان دونوں سنی روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ بچپن میں فوت ہوئے۔ اور ان کا نماز جنازہ خود رسول اللہ ﷺ نے پڑھایا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لحد میں اتارا۔

جبکہ بعض شیعہ روایتوں میں حضرت عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات 76 سال کی عمر میں لکھی ہوئی ہے جیسا کہ بدنام زمانہ شیعہ مؤرخ مسعودی لکھتا ہے کہ:

"عبداللہ اصغر 76 سال کی عمر تک زندہ رہے، ان کی دونوں آنکھوں میں موتیا اتر آیا اور اسی کی تکلیف سے ان کی وفات ہوئی"۔

(مروج الذہب حصہ 2، صفحہ 267)

جب کہ ایک شیعہ نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ:
عبداللہ بن عثمان کا نکاح سکینہ بنت حسین سے ہوا۔

(منتخب التواریخ صفحہ 246)

مسعودی اور اس جیسے دوسرے شیعہ مؤرخین کی دیکھا دیکھی کچھ سادہ لوح سنی بھی ان کی باتوں میں آ گئے اور 76 سال کی عمر میں وفات والی روایت کو سینے سے چمٹا لیا اور اس کے مقابلے میں جو سنی علماء کی روایتیں ہیں کہ جن میں بچپن میں وفات پانا لکھا ہے اور لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا ان روایتوں کو سرے سے ہی بھول گئے۔ چنانچہ پروفیسر طاہر علی الہاشمی صاحب نقل کرتے ہیں کہ:
"مولانا مفتی محمد طاہر مکی صاحب لکھتے ہیں:
برصغیر پاک و ہند میں نواسہ رسول ﷺ عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کی زیادہ نسل آباد ہے، جن کا انتقال مشہور مؤرخ مسعودی کے مطابق چھہتر سال کی عمر میں ہوا"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 130)

سب سے پہلی بات کہ موصوف پروفیسر صاحب حوالہ لکھنا ہی بھول گئے یا حوالہ ملا ہی نہیں ۔۔۔۔۔۔۔؟ انہیں یہ بات ثابت کرنے کے لیے حوالہ لکھنا چاہیے تھا کہ مفتی طاہر مکی صاحب نے کس کتاب کے کس صفحے پر یہ بات لکھی ہے اور عبارت سے معلوم ہو رہا ہے کہ مفتی طاہر مکی صاحب نے مسعودی کی روایت کو ہی دلیل بناتے ہوئے یہ بھونک ماری ہے کہ حضرت عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ

کی اولاد برصغیر پاک و ہند میں آباد ہے۔ یہ تو تھی مفتی طاہر مکی صاحب کی عبارت جبکہ موصوف پروفیسر صاحب کا خود بھی یہی نظریہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ 76 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

"مؤرخین نہ ان کی عمر پر متفق ہیں اور نہ اس پر کہ ان کی موت کس وجہ سے واقع ہوئی۔ واقدی نے ٦ سال کی عمر میں ایک آنکھ میں مرغ کی چونچ مارنا ذکر کیا ہے، ابن سعد نے دو سال کی عمر میں مرغ کا چونچ مارنا تحریر کیا ہے، مسعودی نے چھہتر سال کی عمر میں آنکھ میں موتیا اتر آنے کی وجہ سے موت کا واقع ہونا لکھا ہے، جبکہ شیعہ مجتہد نعمت اللہ الجزائری نے صغر سنی میں دونوں آنکھوں میں مرغ کے چونچ مارنے کا ذکر کیا ہے۔

مذکورہ بالا اختلافی روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ سبط رسول ﷺ تقریباً ٧٦ سال کی عمر تک زندہ رہے، ان سے حضرت علیؓ بن حسین المعروف زین العابدین نے علم حاصل کیا اور کثرت کے ساتھ ان کی نسل کا سلسلہ جاری ہے"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 132)

موصوف پروفیسر صاحب نے چار روایتیں پیش کی ہیں اور چاروں شیعہ کی روایتیں ہیں اور ان میں ایک روایت میں 2 سال کی عمر میں وفات کا ذکر ہے اور ایک میں 76 سال کی عمر میں وفات کا ذکر ہے اور دو میں 6 سال کی عمر میں وفات پانا لکھا ہے۔ پھر پروفیسر صاحب نے ان چاروں میں سے چن کر 76 سال والی روایت کو صحیح لکھ دیا ہے۔

میرا سوال پروفیسر صاحب سے ہے کہ انہوں نے کس اصول اور ضابطے کے تحت یہ فیصلہ کیا ہے کہ مسعودی جیسے غالی شیعہ کی روایت کو ماننا ہے اور باقی روایتیں ٹھکرا دینی ہیں اور اس سے بڑھ کر انساب الاشراف اور تاریخ الخمیس کی سنی روایتیں تو بالکل سرے سے ہی بھول بیٹھے اور ذکر تک نہ کیا۔ اس

کی وجہ کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟اور کس کے اشاروں کی یہ کارستانیاں ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟ اس کا جواب پروفیسر صاحب ہی بہتر دے سکتے ہیں۔

بہر کیف یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات بچپن میں ہوئی اور اسی وجہ سے تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا جنازہ پڑھانا ثابت ہے۔ اگر 76 سال کی عمر میں وفات پائی ہے تو پھر جنازہ کس نے پڑھایا اور قبر میں کس نے اتارہ۔ ان کا جواب دینا پروفیسر صاحب پر ادھار ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

اور جس کا ذکر انساب الاشراف اور تاریخ الخمیس میں ہے وہ کس صحابی کا جنازہ تھا جو آقا ﷺ نے پڑھایا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا۔ اس سوال کا جواب بھی پروفیسر صاحب پر ادھار ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی تیسری صاجزادی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی ولادت دو سال قبل از نبوت ہوئی۔ آقا ﷺ کی عمر مبارک 38 سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک 53 سال تھی جب آپ رضی اللہ عنہا کی ولادت ہوئی۔ جمہور علماء کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی صاجزادیوں میں تیسرے نمبر پر ہیں جیسا کہ پیچھے تفصیل سے گزرا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح ابولہب کے بیٹے عتیبہ سے ہوا مگر اس نے نبوۃ کے بعد اپنے والدین کے کہنے پر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ اس وقت ابھی آپ رضی اللہ عنہا کی رخصتی بھی نہ ہوئی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا دوسرا نکاح حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ یہ نکاح اللہ تعالی کے حکم پر ہوا تھا چنانچہ آقا ﷺ فرماتے ہیں:

"......... ما انا ازواج بناتی ولکن اللہ تعالی یزوجهن"۔

ترجمہ: یعنی میں اپنی بیٹیوں کو اپنی مرضی سے کسی کے نکاح میں نہیں دیتا بلکہ اللہ تعالی کی طرف سے ان کے نکاح کے فیصلے ہوتے ہیں"۔

(المستدرک حاکم جلد رابع صفحہ 49)

مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی تمام بیٹیوں کے نکاح رب کائنات کے حکم سے ہوئے۔ چنانچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ چاروں نکاح رب کائنات کے حکم سے ہوئے۔

قارئین ذی وقار! جیسا کہ پیچھے تفصیل سے گزرا کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی صاجزادیوں میں چوتھے نمبر پر ہیں اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا تیسرے نمبر پر پیدا ہوئیں۔

لیکن اس کے برعکس پروفیسر طاہر علی الہاشمی صاحب لکھتے ہیں:

"اگر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑی ہوتیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اور رخصتی پہلے نہ ہوتی"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 221)

پہلی بات تو یہ ہے کہ جیسا کہ پیچھے گزرا کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے نکاح نبوت سے قبل ابولہب کے بیٹے بالترتیب عتیبہ اور عتبہ سے ہوئے تھے۔ پروفیسر صاحب کا اعتراض اس سے ساقط ہو گیا کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اگر بڑی ہوتیں تو نکاح پہلے ہوتا۔

اور واضح رہے کہ پروفیسر صاحب بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عتیبہ کے ساتھ نبوت سے پہلے ہوا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"اہل سیر نے ان کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ ان کا پہلا نکاح ابولہب کے بیٹے عتیبہ کے ساتھ ہوا تھا۔ باپ کے حکم پر جس طرح عتبہ نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی تھی اسی طرح عتیبہ نے بھی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تھی"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 222،223)

دوسری بات یہ ہے کہ پروفیسر صاحب نے جو یہ فارمولا بنایا ہے کہ بڑی بیٹی کا نکاح پہلے کرنا ہے اور چھوٹی کا بعد میں یہ انہوں نے کس کتاب میں پڑھا ہے؟ اگر پکے سچے سنی ہیں تو اہلسنت والجماعت کی کتابوں سے یہ فارمولا دکھا دیں؟

تیسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض پروفیسر صاحب کا یہ فارمولا مان بھی لیا جائے تو پھر یہ سوال اٹھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑ کر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا پہلے

نکاح عتیبہ سے کیوں کیا؟ اس کا جواب بھی پروفیسر صاحب سے چاہیے؟

چوتھی بات یہ ہے کہ جیسا کہ پیچھے ہم نے ایک حدیث نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کے نکاح اللہ تعالی کے حکم سے ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے پروفیسر صاحب کے اس اعتراض کو اگر پرکھا جائے تو یہ بات پتہ چلتی ہے کہ پروفیسر صاحب نے (نعوذ باللہ) اللہ رب العزت کے اوپر انگلی اٹھائی ہے کہ رب کائنات نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا پہلے حکم کیوں دیا حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح کا حکم ہونا چاہیے تھا؟ (استغفر اللہ) کاش کہ پروفیسر صاحب یہ اعتراض کرنے سے پہلے سوچ لیتے کہ ان کا یہ اعتراض کہاں تک پہنچے گا؟

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی کوئی اولاد نہ تھی اور آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال 9ھ میں ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا جنازہ رسول اللہ ﷺ نے خود پڑھایا۔ آپ رضی اللہ عنہا کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ قبر میں اترے اور بعض روایات کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اور اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید بھی ان کے ساتھ قبر میں اترے اور دفن کرنے میں معاونت کی۔ مشکوۃ شریف میں ہے کہ:

"عن انس رضی اللہ عنہ قال شھدنا بنت رسول اللہ ﷺ تدفن و رسول اللہ ﷺ جالس علی القبر فرأیت عینیہ تدمعان"۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کے دفن پر ہم حاضر تھے اور سردار دو عالم ﷺ قبر پر تشریف فرما تھے اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے آنسو مبارک (فرط غم کی وجہ سے) جاری تھے"۔

(مشکوۃ شریف صفحہ 149)

(سرح السنۃ للبغوی جلد 5 صفحہ 394)

(طبقات ابن سعد جلد 8 صفحہ 26)

(تفسیر القرطبی جلد 14 صفحہ 242،243)

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی صاجزادیوں میں سب سے چھوٹی صاجزادی ہیں۔ سیرت نگاروں کے آپ رضی اللہ عنہا کی ولادت پر مختلف اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک پانچ سال قبل از نبوت آپ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں بعض کے نزدیک ایک سال قبل از نبوت پیدا ہوئیں اور اکثر کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہا نبوت کے پہلے سال پیدا ہوئیں اور یہی قول راجح ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نبوت کے پہلے سال پیدا ہوئیں۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ ابن حجر جلد 4 صفحہ 365)

اور اسی پر جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں تو آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک 41 سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک 56 سال تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح 2ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب سے ہوا۔ اور ذوالحجہ کا مہینہ تھا جب آپ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر 15 سال اور 5 مہینے تھی۔ تاہم اور بھی اقوال ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر 21 سال تھی۔

(تفسیر قرطبی جلد 14 صفحہ 241)

سیدہ کی اولاد میں تین بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت محسن رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور دو بیٹیاں حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں۔ بعض نے تیسری صاجزادی رقیہ رضی اللہ عنہا کا بھی ذکر کیا ہے مگر جمہور کے نزدیک دو ہی بیٹیاں تھیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت نصف رمضان المبارک 3ھ میں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت 5 شعبان 4ھ میں ہوئی۔

(نسب قریش صفحہ 24،25)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے ہوا تھا۔ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

(نسب قریش صفحہ 25)

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا انتقال رسول اللہ ﷺ کے وصال سے چھ ماہ بعد ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا کو غسل آپ رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زوجہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس نے دیا اور آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دیگر ازواج میں حضرت سلمی رضی اللہ عنہا اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا جنازہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھایا اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما نے بھی جنازہ میں شرکت کی۔

"......... عن حماد بن ابراھیم قال صلی ابوبکر الصدیق علی فاطمة بنت رسول اللہ ﷺ فکبر علیھا اربعا"۔

ترجمہ: یعنی ابراہیم فرماتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کا جنازہ پڑھایا اور اس پر چار تکبیریں کہیں"۔

(طبقات ابن سعد جلد 8 صفحہ 19)

"......... عن مجالد عن الشعبی قال صلی علیھا ابو بکر رضی اللہ عنہ وعنھا"۔

ترجمہ: یعنی شعبی کہتے ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھی۔

(طبقات ابن سعد جلد 8 صفحہ 19)

آپ رضی اللہ عنہا کو آپ کی وصیت کے مطابق رات کو ہی دفن کیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ دفن کرنے کے لیے قبر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اترے۔

قارئین ذی وقار! معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی اولاد میں حضرت قاسم رضی اللہ عنہ، حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے جیسا کہ پیچھے تفصیل سے گزرا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال نماز فرض ہونے سے قبل ہجرت سے تین سال پہلے 65 سال کی عمر میں ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں رسول اللہ ﷺ نے دوسرا نکاح نہیں کیا یہ آپ ﷺ کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے محبت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کتابوں کثرے سے فضائل ومناقب آئے ہیں جن کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ بہر کیف چونکہ ہمارا موضوع اور ہے اس لیے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے اور آگے دیگر امہات المؤمنین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اختصار سے ذکر کیا جاتا ہے۔

ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ عنہا کو بھی رب تعالی نے رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آ کرامت کی ماں بننے کا شرف بخشا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا زمعۃ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نضر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی کی صاجزادی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ شموس بنت قیس بن عمرو بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن بخار انصاریہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح سکران رضی اللہ عنہ بن عمرو بن عبد شمس سے ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا ابتداء اسلام میں ہی اسلام لے آئی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر سکران رضی اللہ عنہا بن عمرو بن عبد شمس بھی ابتداء ہی میں اسلام لے آئے تھے۔ آپ دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی۔ اس کے بعد سکران رضی اللہ عنہا بن عمرو بن عبد شمس انتقال فرما گئے۔ اور آپ رضی اللہ عنہا نے عدت پوری فرمائی تو آنحضرت ﷺ نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپ رضی اللہ عنہا ے فرمایا کہ میں خود کو آپ ﷺ کے حوالے کرتی ہوں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ اس وقت حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عمر پچاس 50 سال تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی بھی عمر پچاس سال ہی تھی۔ اس سے کچھ عرصہ بعد جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری کا دن بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے علیحدہ نہ فرمائیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہا جانتی تھیں کہ اس نکاح میں رہ کر انہیں کتنی عظمت حاصل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کے بطن سے رسول اللہ ﷺ کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال عہد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں شوال 54ھ میں ہوا اور بعض نے آپ رضی اللہ عنہا کی وفات اخیر زمانہ خلافت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لکھی ہے۔ بہر کیف پہلا قول قوی معلوم ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا بھی باقی ازواج مطہرات کی طرح جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ عنہا کو بھی رسول اللہ ﷺ سے نکاح کے ذریعے امت کی ماں بننے کا شرف ملا ہے۔ اور دوسری اہم بات کہ آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہی ہوا اور کسی مرد کے نکاح میں نہیں آئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بن ابی قحافہ (عثمان) بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب بن لؤی کی صاجزادی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا بنت عمیر بن عامر بن دھمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے چھ سال کی عمر میں ہوا جب رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک قریبا 51 برس تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی رخصتی نو 9 سال کی عمر میں ہجرت کے اگلے سال ہوئی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک 54 برس تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کو بہت زیادہ محبوب تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ نے حمیرا کا لقب عطا فرمایا تھا۔

ا: فاضل دیوبند مولانا مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے چھ برس کی عمر میں ہوا اور رخصتی نو سال کی عمر میں ہجرت والے سال ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر اٹھارہ برس تھی"۔

(ماخذ سیرت خاتم الانبیا ﷺ صفحہ 31)

واضح رہے کہ اس کتاب سیرت خاتم الانبیا ﷺ پر بڑے بڑے اکابر علماء اہلسنت والجماعت کی تقاریظ موجود ہیں۔ چنانچہ مفتی اعظم دیوبند مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جید علماء کرام کی تقاریظ موجود ہیں۔

۲: حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے چھ سال کی عمر میں مکہ مکرمہ میں ہجرت سے دو سال قبل، اور ایک قول میں ہجرت سے تین سال قبل ماہ شوال المکرّم میں۔ آپ کو مدینہ طیبہ میں ہم بستری سے سرفراز فرمایا، اور جس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی ہوئی رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی"۔

(سیرت رسول ﷺ صفحہ 42)

۳: قاضی سلیمان سلمان منصور پوری فرماتے ہیں:

"انتقال نبوی ﷺ کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ نو سال کی مصاحبت قدسیہ میں جو علوم عالیہ سیکھے تھے"۔

(رحمۃ للعالمین ﷺ جلد دوئم صفحہ 159)

قارئین ذی وقار! قاضی صاحب کی اس عبارت میں گو کہ نکاح کے وقت کی عمر درج نہیں مگر اس عبارت سے ہر ذی شعور انسان یہ اندازہ بخوبی لگا سکتا ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے وقت عمر نو سال تھی اس لیے قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ اٹھارہ سال کی عمر ان کی تھی اور آقا ﷺ نے وفات پائی اور ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ نو سال آقا ﷺ کے ساتھ گزارے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ قاضی صاحب بھی نو سال کی عمر میں رخصتی والے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

۴: فاضل دیوبند شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی نکاح مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے شوال 10 نبوی میں ہوا۔ جس وقت کہ ان کی عمر چھ سال کی تھی"۔

(فضائل اعمال باب دہم صفحہ 149، 150)

۵: قاری شریف احمد صاحب رقمطراز ہیں:

"حضرت رضی اللہ عنہا کی نکاح کے وقت عمر چھ سال تھی اور نکاح 11 نبوی میں ہوا"۔

(ماخذ تذکرہ خاتم الانبیا ﷺ حصہ دوئم صفحہ 397)

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت چھ سال تھی اور رخصتی کے وقت نو سال تھی۔ اور جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی عمر شریف اٹھارہ سال تھی۔ اور علماء اہلسنت کا اسی پر اتفاق ہے۔ جبکہ پروفیسر طاہر علی الہاشمی صاحب رقمطراز ہیں:

"ان کا نکاح نبوت کے بارھویں سال شوال کے مہینے میں بعمر سولہ برس ہوا۔ مہر کی رقم پانچ سو درہم مقرر ہوئی جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی نکاح کے تین سال اور ہجرت کے چند ماہ بعد یعنی شوال 1ھ، اپریل 623ء میں مدینہ منورہ میں انیس برس کی عمر میں نہایت سادگی کے ساتھ ہوئی"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 160)

پروفیسر صاحب کی مذکورہ عبارت کو اگر بغور پڑھا جائے تو پروفیسر صاحب اپنی ہی باتوں میں خود پھنستے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے لکھا کہ نبوت کے بارہویں سال شوال کے مہینے میں سولہ برس کی عمر میں نکاح ہوا۔ اور آگے لکھتے ہیں کہ نکاح سے تین سال بعد رخصتی ہوئی۔ مجھے لگتا ہے کہ پروفیسر صاحب کی عقل پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ چونکہ ہجرت رسول اللہ ﷺ نے 53 سال کی عمر میں کی اور پروفیسر صاحب کی ایک عبارت بھی اس پر شائد ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات مشہور قول کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی وفات کے چھ ماہ بعد پیر کے دن 3 رمضان 11ھ میں ہوئی"۔

(اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 219)

جبکہ رسول اللہ ﷺ نے 63 سال کی عمر میں 12 ربیع الاول کو وفات پائی اس سے آگے اگر شمار کیا جائے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا چھ ماہ بعد رمضان المبارک میں انتقال فرمانے والا پروفیسر

صاحب کا قول بجا ہے مگر ساتھ جو بات یہاں سمجھانا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا اس وقت ہجرت کو 11 سال ہو چکے تھے بقول پروفیسر صاحب کے جیسا کہ پچھلی عبارت میں نقل ہوا۔ یہاں سے پیچھے کی طرف اگر شمار (count) کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے 53 سال کی عمر میں ہجرت فرمائی۔

بات جو چل رہی تھی وہ یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی نکاح سے تین سال بعد ہوئی جبکہ نکاح نبوت کے بارہویں سال ہوا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک 52 برس تھی جب نکاح ہوا اور اس سے تین سال بعد رخصتی ہوئی۔ اس حساب سے رخصتی جب ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک 55 سال تھی۔ جبکہ آگے چل کر پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ رخصتی 1ھ میں ہوئی۔ (اہل بیت رسول ﷺ کون؟ صفحہ 160) یعنی پروفیسر صاحب نے دو متضاد باتیں لکھ دیں ادھر کہتے ہیں کہ 1ھ میں رخصتی ہوئی یعنی جب رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک 54 سال تھی اور دوسری جگہ 55 سال ثابت کر رہے ہیں۔ قارئین خود فیصلہ کریں کہ پروفیسر صاحب کی تحقیق کا کیا عالم ہے؟

بہر کیف بات چل رہی تھی کہ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا بھی رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے بطن سے بھی رسول اللہ ﷺ کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہا بچپن ہی سے بہت ذہین تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نو سال گزارے۔ آپ رضی اللہ عنہا بہت پرہیز گار اور نیک خاتون تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے قریبا دو ہزار کے قریب روایات مروی ہیں۔

اور صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کی برأت کے لیے اللہ تعالی کا قرآن اترا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہا کی وفات 17 رمضان المبارک 57ھ کو منگل کی شب ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہا کو بھی باقی ازواج مطہرات کی طرح جنت البقیع میں مدفون کیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی عمر وفات کے

وقت 66 برس تھی۔

نوٹ: عمر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کتاب کا تحقیقی جواب انشاءاللہ بہت جلد منظر عام پر آئے گا۔

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ عنہا کو بھی رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں آنے سے امت کی ماں ہونے کا شرف ملا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہا بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی کی صاجزادی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام زینب رضی اللہ عنہا بنت مظعون بن حبیب بن وھب بن حذافہ بن جمح تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح خنیس رضی اللہ عنہ بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم سے ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی اور آپ رضی اللہ عنہا کے شوہر مدینہ ہی میں فوت ہو گئے۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہوا۔ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر فوت ہو گئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ ان کی بیٹی سے نکاح فرما لیں مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سکوت فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ان کی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد درخواست کی کہ ان کی بیٹی سے نکاح فرمالیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرا اس وقت نکاح کا ارادہ نہیں۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی بیٹی سے نکاح کرنے سے انکار فرما دیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے لیے عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر شوہر اور عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے حفصہ رضی اللہ عنہا سے بہتر بیوی بتاتا ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خود حضرت رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی صاجزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا دے دیں۔ رسول اللہ ﷺ سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح 2ھ یا 3ھ میں ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہونے سے بھی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہونے سے بھی اعزاز حاصل ہے۔ گو کہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی

ہونے کی حیثیت سے آپ رضی اللہ عنہا کو زیادہ عظمت ملی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کے بطن سے بھی رسول اللہ ﷺ کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔

آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال جمادی الاولی 45ھ میں ہوا جبکہ آپ رضی اللہ عنہا کی عمر قریبا 63 برس تھی اور بعض نے آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال 41ھ میں 60 سال کی عمر میں لکھا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کو لحد میں عبداللہ، عاصم، سالم اور حمزہ نے اتارا۔ نماز جنازہ مروان رضی اللہ عنہ بن حکم نے پڑھایا۔

ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ عنہا بھی رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں آئیں اور امت کی ماں بننے کا بھی آپ رضی اللہ عنہا کو شرف حاصل ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا خزیمہ بن حارث بن عبداللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ کی صاجزادی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا اسلام سے قبل بھی بہت سخی تھیں۔ اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہا کا لقب اسلام سے پہلے ام المساکین تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کے پہلے نکاح کے بارے میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح طفیل بن حارث بن مطلب بن عبد مناف سے ہوا اور انہوں نے طلاق دی تو آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح عبیدہ رضی اللہ عنہ بن حارث نے کرلیا اور غزوہ بدر میں شہید ہوئے اور بعض کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوا اور وہ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کے اکتیس 31 مہینے بعد رمضان المبارک 3ھ میں ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے ساتھ نکاح میں آٹھ مہینے رہیں اور ربیع الآخر 4ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا نماز جنازہ رسول اللہ ﷺ نے خود پڑھایا۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں وفات پائی۔ باقی ازواج مطہرات رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت زندہ تھیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کو آپ رضی اللہ عنہا کے تینوں بھائیوں نے لحد میں اتارا۔ آپ رضی اللہ عنہا کو بھی جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

﴿ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا﴾

آپ رضی اللہ عنہا بھی رسول اللہ ﷺ کی رفیقہ حیات اور امت کی ماں ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا ابو امیہ، سہیل زاد الرکب بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم کی صاجزادی ہیں آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ عاتکہ بنت ربیعہ بن مالک بن جذیمہ بن علقمہ جذل الطعان بن فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح ابو سلمہ (عبد اللہ) بن عبد الاسد بن ھلال بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم سے ہوا۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ 8 جمادی الثانی 4ھ کو انتقال فرما گئے تو اس کے بعد شوال 4ھ میں رسول اللہ ﷺ سے نکاح ہوا اور بعض نے 6ھ لکھا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نکاح سے پہلے ان کے حسن کی بہت شہرت تھی۔ نکاح کے بعد میں نے جا کر دیکھا تو جس سنا تھا اس سے زیادہ پایا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا تھا کہ کوئی مصیبت پہنچے وہ یہ دعا پڑھے۔

"اللهم اجرنی فی مصیبتی و اخلفنی خیرا منها"

ترجمہ: اے اللہ مجھے اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور اس کا نعم البدل نصیب فرما۔

تو اللہ تعالی بہترین بدل عطا فرماتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے مرنے کے بعد میں یہ دعا پڑھتی رہی اور رب کائنات نے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر آنحضرت ﷺ سے نکاح کر دیا۔

آپ رضی اللہ عنہا امہات المؤمنین میں سے سب سے آخر میں فوت ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال 59ھ یا 62ھ میں ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر چوراسی 84 برس تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ عمر بن ابی سلمہ، سلمہ، عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی امیہ اور

عبداللہ بن وھب بن زمعہ اسد نے آپ رضی اللہ عنہا کو قبر کے حوالے کیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کو بھی باقی ازواج مطہرات کی طرح جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ عنہا بھی رسول اللہ ﷺ کی رفیقہ حیات ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا جحش بن ریاب بن یعمر بن صبرۃ بن مرۃ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ کی صاجزادی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح آقا ﷺ کے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ ان کے طلاق دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالی کے حکم سے آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر پینتیس 35 سال تھی۔ اور یہ نکاح 5ھ میں ہوا۔ بعض نے 3ھ لکھا ہے۔ مگر پہلا قول درست ہے۔

جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دی تو آنحضرت ﷺ نے نکاح کا پیغام بھیجا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ جب تک اللہ تعالی سے مشورہ نہ کرلوں اس وقت تک کوئی جواب نہ دوں گی۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہا نے وضو کر کے نماز کی نیت باندھی۔ اس کے بعد دعا کی۔ اور آقا ﷺ پر قرآن حکیم کی یہ آیت "فلما قضی زید منھا وطرًا زوّجنکھا" نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے خوشخبری بھیجی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا خوشخبری سن کر سجدہ میں گر گئیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کے بطن سے بھی رسول اللہ ﷺ کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال 20ھ میں ہوا۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر پچاس 50 سال تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ آپ رضی اللہ عنہا کو بھی باقی ازواج مطہرات کی طرح جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ عنہا بھی رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ بن مصطلق خزاعی کی لخت جگر ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے پہلا نکاح مسافع بن صفوان ذوالشقر بن سرح بن مالک بن خزیمہ نے کیا۔ ان کے بعد آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح آنحضرت ﷺ نے 5ھ یا 6ھ میں کیا۔ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سنا کہ بنو مصطلق حضور ﷺ کے سسرال بن گئے تو انہوں نے خوشی کی وجہ سے غلام آزاد کردیئے۔ اس میں سو 100 گھرانے آزاد ہوئے جن میں قریباً سات سو 700 آدمی تھے۔ نکاح کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر بیس 20 سال تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے غزوہ سے تین دن پہلے خواب دیکھا کہ یثرب سے چاند چلا اور میری گود میں آگرا۔ اس خواب کی تعبیر اس وقت ہوئی جب ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا بہت حسین تھیں۔ جس کی نظر پڑتی نہ اٹھتی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ ﷺ سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

آپ رضی اللہ عنہا نے 50ھ میں 65 سال کی عمر میں مدینہ میں انتقال فرمایا۔ اور بعض نے 56ھ میں 70 سال کی عمر میں انتقال لکھا ہے مگر پہلا قول درست ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ مروان رضی اللہ عنہ بن حکم نے پڑھائی۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ عنہا کو بھی رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا نام رملہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس کی بیٹی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس ہیں۔ صفیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش بن ریاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خذیمہ سے ہوا۔ بعض نے آپ رضی اللہ عنہا کا نام مرملہ اور بعض نے ہند بھی لکھا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا اور آپ کے شوہر نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ وہاں ایک رات حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں اپنے شوہر کو بری شکل میں دیکھا۔ صبح اٹھ کر پتا چلا کہ وہ مرتد ہو گیا ہے۔ مگر آپ رضی اللہ عنہا اسلام اور ہجرت پر باقی رہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کا حبشہ میں ہی انتقال ہوا۔ اس پہلے نکاح سے آپ رضی اللہ عنہا کی ایک بیٹی حبیبہ پیدا ہوئی۔ جس سے آپ رضی اللہ عنہا کا نام "ام حبیبہ" پڑھ گیا۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح آنحضرت ﷺ سے ہوا۔ یہ نکاح 7ھ میں ہوا اور بعض نے 6ھ لکھا ہے۔ تاریخ خمیس میں ہے کہ یہ نکاح 6ھ میں اور رخصتی 7ھ میں ہوئی۔ بہر کیف یہ نکاح حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے پڑھایا۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ نکاح حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد نے پڑھایا جو کہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کے والد اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ وہ اس واقعے کے بعد مسلمان ہوئے۔

آپ رضی اللہ عنہا کی وفات پر اختلاف ہے۔ بعض نے 42ھ لکھا ہے، بعض نے 55ھ لکھا ہے جبکہ بعض نے 50ھ لکھا ہے۔ مگر صحیح اور اکثر کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا کی وفات 44ھ میں ہوئی۔

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ عنہا کو بھی رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں آنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا حیی بن اخطب بن سعید بن عامر بن عبید بن کعب بن خزرج بن ابی حبیب بن نضیر بن نحام بن یخوم کی صاجزادی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے والد حی، موسی کے بھائی ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ برۃ بنت سموئل ہیں۔ رفاعۃ بن سموئل آپ رضی اللہ عنہا کے ماموں ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے پہلا نکاح سلام بن مشکم قرظی نے کیا اور بعد میں طلاق دے دی۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق نضری نے کیا جو خیبر کی لڑائی میں مارا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہا بطور مال غنیمت کے آپ ﷺ کے پاس غلام بنا کر لائی گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے یہ بات رکھی کہ اگر آپ اسلام قبول کرلیں تو میں تمہیں آزاد کردوں گا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کرلیا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا خود آزاد نہ ہونا چاہتی تھیں۔ اور فرمایا کہ بھلا اسلام سے پہلے میں آپ ﷺ کے پاس رہنا چاہتی تھی اب اسلام قبول کر کے کیسے آپ ﷺ سے علیحدہ ہوسکتی ہوں؟ یہ شاید انہوں نے اس وجہ سے کہا کہ دو تین دفعہ انہوں نے خواب دیکھا تھا کہ یثرب سے چاند آیا اور میری گود میں گرا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر سے اس کا تذکرہ کیا تو اس نے آپ رضی اللہ عنہا کو طمانچہ مارا اور کہا کہ یثرب کے بادشاہ سے شادی کی خواہش کرتی ہے۔ بہر کیف اسی طرح کے خواب آپ رضی اللہ عنہا نے دو تین دفعہ دیکھے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے خیبر سے واپسی پر ایک مقام پر آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور صبح کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اعلان کیا کہ جو کچھ کھانے کے لیے ان کے پاس ہے لے آئیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس جو متفرق چیزیں کھانے کی تھیں لے آئے اور دستر خوان چمڑے کا بچھا کر اس ڈال دی گئیں۔ یہی ولیمہ تھا۔

آپ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ ﷺ سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال صحیح

قول کے مطابق 50ھ میں ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت ساٹھ 60 برس تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ سے میرا نکاح ہوا تو اس وقت میں سترہ 17 برس کی بھی نہ ہوئی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کو بھی باقی ازواج مطہرات کی طرح جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ بعض نے آپ رضی اللہ عنہا کی وفات 52ھ لکھی ہے۔ مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے۔

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ عنہا کو بھی رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں رہنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا حارث بن حزن بن بحیر بن ہزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ھلال بن عامر بن صعصعہ کی صاجزادی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہند بنت عوف بن زھیر بن حارث بن حماطہ بن جرش یا جریش ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا۔ انہوں نے طلاق دی تو دوسرا نکاح ابورھم بن عبدالعزی بن ابی قیس سے ہوا۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہا کے ان نکاحوں میں اختلاف ہے کہ کس کس سے ہوا۔ بعض نے اور بھی اقوال نقل کیے ہیں۔ بہر کیف اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور ﷺ سے ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور ﷺ سے مقام سرف میں 7ھ میں ہوا۔ اس کے بعد حضور ﷺ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے اور واپسی پر رخصتی بھی اسی مقام سرف پر ہی ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا نام اس نکاح سے پہلے برہ تھا۔ حضور ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہا کا نام تبدیل کر کے میمونہ رضی اللہ عنہا رکھا۔ امہات المؤمنین میں آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور ﷺ سے سب سے آخر میں ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا کے بعد حضور ﷺ نے کسی اور خاتون سے نکاح نہیں کیا۔

آپ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضور ﷺ کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال 51ھ میں اور بعض کے قول کے مطابق 61ھ میں اسی مقام سرف پر جہاں آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح اور رخصتی ہوئی تھی اسی جگہ آپ رضی اللہ عنہا کی وفات بھی ہوئی اور آپ رضی اللہ عنہا کی قبر بھی وہیں پر بنی۔ یہ تاریخ ساز واقعہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح، رخصتی، وفات اور قبر مقام سرف پر ہی ہوئیں۔ وفات کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر 80 یا 81 سال تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ آپ رضی اللہ عنہا کو لحد کے حوالے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن خالد اور عبداللہ خولانی نے کیا۔

قارئین ذی وقاران ازواج مطہرات کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی دو لونڈیاں ام المؤمنین حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں اور ام المؤمنین حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ تاہم حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اختلاف ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں بیوی بنا کر رکھا یا بطور لونڈی۔ حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا کا انتقال حضور ﷺ کی زندگی ہی میں ہوا۔ اور حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کا انتقال 16ھ میں ہوا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔